یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ جل جلالک

15

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم ننگِ دیں، ننگِ وطن

مخالفینِ قیامِ پاکستان "علماء و لیڈر" کی ہندو و انگریز دوستی کی

ایک اہم تاریخی دستاویز

مُسمّٰی بہ

مُخالفینِ پاکستان کا کردار

مؤلفہ: جناب میاں محمد صادق صاحب قصوری مصنف "اکابر تحریک پاکستان"

ناشر:
مکتبہ رضائے مصطفیٰ
چوک دارالسلام گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ جل جلالہٗ

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ آدم ننگِ دیں، ننگِ وطن

میثم قادری

مخالفینِ قیامِ پاکستان "علماء و لیڈر" کے کردار پر مشتمل

ایک اہم تاریخی دستاویز

مسمّٰی بہ

"جعفرانِ ایں زماں"

مؤلفہ:
جناب میاں محمد صادق صاحب قصوری مصنف "اکابرِ تحریکِ پاکستان"

ناشر: خدّامِ اہلسنّت بزمِ رضا گوجرانوالہ

پتہ: مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دار السلام گوجرانوالہ

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن اشاعت
۱	جاوید نامہ	علامہ اقبال	لاہور سنہ ۱۹۷۰ء
۲	ارمغان حجاز	علامہ اقبال	لاہور ۱۹۷۰ء
۳	تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء	چوہدری حبیب احمد	لاہور ۱۹۶۶ء
۴	اقبال، قائداعظم اور پاکستان	راجا رشید محمود	لاہور ۱۹۸۳ء
۵	عظیم قائد عظیم تحریک	ولی مظہر ایڈووکیٹ	ملتان ۱۹۸۳ء
۶	کاروان گم گشتہ	رئیس احمد جعفری	کراچی ۱۹۷۱ء
۷	پاکستان ناگزیر تھا	سید حسن ریاض	کراچی ۱۹۸۲ء
۸	بیس بڑے مسلمان	عبدالرشید ارشد	لاہور ۱۹۷۵
۹	مسلمان اور کانگریس	ابوالکلام آزاد	لاہور آزاد بکڈپو
۱۰	اقبال کے آخری دو سال	ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی	لاہور ۱۹۷۸ء
۱۱	مشاہیر جنگ آزادی	مفتی انتظام اللہ شہابی	کراچی ۱۹۵۷ء
۱۲	تاریخ نظریہ پاکستان	پیام شاہجہانپوری	لاہور ۱۹۷۰ء
۱۳	آزادی ہند (ابوالکلام آزاد)	مترجم رئیس احمد جعفری	لاہور ۱۹۷۳
۱۴	نوادر ابوالکلام	عبدالغفار شکیل	علی گڑھ ۱۹۶۳ء
۱۵	مولانا آزاد اور ان کے ناقد	ایم اے شاہد	کراچی ۱۹۸۱ء
۱۶	عظیم قائد	نوابزادہ محمود علی خاں	لاہور ۱۹۸۲ء
۱۷	آزادی کی کہانی میری زبانی	سردار عبدالرب نشتر	کراچی ۱۹۷۹ء

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سنِ اشاعت
۱۸	قائداعظم اور ان کا عہد	رئیس احمد جعفری	لاہور ۱۹۶۶ء
۱۹	ظفر علی خاں اور ان کا عہد	عنایت اللہ نسیم سوہدروی	لاہور ۱۹۸۲ء
۲۰	چمنستان	مولانا ظفر علی خاں	لاہور ۱۹۴۴ء
۲۱	ابوالاعلیٰ مودودی	ابو آلافاق	لاہور ۱۹۷۱ء
۲۲	ہمارے سیاستدان	محمد موسیٰ بھٹو	حیدرآباد ۱۹۷۹ء
۲۳	تحریک جماعت اسلامی	ڈاکٹر اسرار احمد	لاہور ۱۹۶۹ء
۲۴	لیڈران کرام	ریاض بٹالوی	لاہور ۱۹۷۰ء
۲۵	تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم	مولانا مودودی	لاہور ۱۹۷۳ء
۲۶	اسلام اور پاکستان	ڈاکٹر اسرار احمد	لاہور ۱۹۸۳ء
۲۷	سیاسی جماعتیں طلبار کی عدالت میں	اشرف رضا	لاہور ۱۹۷۰ء
۲۸	مودودی اور جماعت اسلامی	ممتاز علی عاصی	لاہور ۱۹۶۴ء
۲۹	مکاتیب نواب بہادر یار جنگ	نواب بہادر یار جنگ	کراچی ۱۹۶۷ء
۳۰	رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء	پنجاب ہائیکورٹ لاہور	لاہور ۱۹۵۳ء
۳۱	علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی	چوہدری حبیب احمد	فیصل آباد ۱۹۸۲ء
۳۲	سرگزشت پاکستان اور تحریک پاکستان	چوہدری سردار محمد خاں عزیز	لاہور ۱۹۷۴ء
۳۳	دیوبندی مذہب	مولانا غلام مہر علی	چشتیاں ۱۹۵۶ء
۳۴	کاروان احرار جلد اوّل	جانباز مرزا	لاہور ۱۹۷۵ء
۳۵	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء	پروفیسر محمد ایوب قادری	کراچی ۱۹۷۶ء
۳۶	جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین حصہ سوم	عزیز الرحمٰن لدھیانوی	دہلی ۱۹۷۵ء
۳۷	آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان	ڈاکٹر محمد شجاع ناموس	لاہور ۱۹۴۶ء

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سنِ اشاعت
۳۸	بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل	شورش کاشمیری	لاہور ۱۹۷۲ء
۳۹	حیاتِ امیرِ شریعت	جانباز مرزا	لاہور ۱۹۷۶ء
۴۰	روئیدادِ جشن دیوبند	جانباز مرزا	لاہور ۱۹۸۰ء
۴۱	نقشِ حیات	مولانا حسین احمد مدنی	لاہور ۱۹۷۵ء
۴۲	متحدہ قومیت اور اسلام	مولانا حسین احمد مدنی	لاہور ۱۹۷۵ء
۴۳	کاروانِ احرار جلد سوم	جانباز مرزا	لاہور ۱۹۷۸ء
۴۴	قائداعظم میری نظر میں	مرزا ابوالحسن اصفہانی	لاہور ۱۹۷۶ء
۴۵	مشکلات لا الٰہ	شیخ محمد سعید ایڈووکیٹ	جھنگ ۱۹۸۱ء
۴۶	بہاولپور کی سیاسی تاریخ	شہاب دہلوی	بہاولپور ۱۹۷۷ء
۴۷	اقبال کے حضور	سید نذیر نیازی	کراچی ۱۹۷۱ء
۴۸	پنجاب کی سیاسی تحریکیں	عبداللہ ملک	لاہور ۱۹۷۱ء
۴۹	ننگ و ناز	ایم اسلم	لاہور ۱۹۷۸ء
۵۰	حیاتِ بہادر یار جنگ	غلام محمد	کراچی ۱۹۷۴ء
۵۱	اسلام اور قائداعظم	محمد حنیف شاہد	لاہور ۱۹۷۶ء
۵۲	قائداعظم پر قاتلانہ حملہ	محمد حنیف شاہد	لاہور ۱۹۷۶ء
۵۳	تحریکِ پاکستان	شیخ محمد رفیق	لاہور ۱۹۷۹ء
۵۴	سید عطاء اللہ شاہ بخاری	شورش کاشمیری	لاہور ۱۹۷۸ء
۵۵	آہنگِ بازگشت	مولوی محمد سعید	لاہور ۱۹۷۹ء
۵۶	کاروانِ احرار جلد ششم	جانباز مرزا	لاہور ۱۹۸۲ء
۵۷	اقبال کے دینی و سیاسی افکار	سید نور محمد قادری	گجرات ۱۹۸۲ء

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن اشاعت
۵۸	جب امرتسر جل رہا تھا	خواجہ افتخار	لاہور ۱۹۸۲ء
۵۹	سید عطاء اللہ شاہ بخاری	زاہد منیر عامر	فیصل آباد ۱۹۸۳ء
۶۰	ماہنامہ "تجلی" دیوبند	دیوبند اور دارالعلوم دیوبند نمبر	مارچ اپریل ۱۹۸۰ء
۶۱	ہفت روزہ استقلال لاہور	ظہور عالم شہید	۱۴ مارچ ۱۹۸۳ء
۶۲	ہفت روزہ قندیل لاہور	-	۱۰ مئی ۱۹۷۹ء
۶۳	روزنامہ نوائے وقت، مشرق، جنگ	-	مختلف شمارے
۶۴	روزنامہ جسارت کراچی		-
۶۵	مودودی نمبر	-	-
۶۶	مجلہ "مرغزار"	گورنمنٹ کالج شیخوپورہ	قائد اعظم نمبر ۱۹۷۶ء
۶۷	ہفت روزہ "الاصلاح" لاہور		۲۶ جون ۱۹۸۱ء
۶۸	ماہنامہ "فیضان" فیصل آباد		جون جولائی ۱۹۷۸ء
۶۹	ارمغان آزاد جلد اول	ابو سلمان شاہجہانپوری	کراچی ۱۹۷۸ء
۷۰	جمعیت علمائے ہند جلد اول	پروین روزینہ	اسلام آباد ۱۹۸۰ء
۷۱	اقبال اور محبت رسولؐ	پروفیسر محمد طاہر فاروقی	لاہور ۱۹۷۷ء
۷۲	اقبال کا آخری معرکہ	سید نور محمد قادری	لاہور ۱۹۷۹ء
۷۳	اقبال کا سیاسی کارنامہ	محمد احمد خاں	لاہور ۱۹۷۷ء
۷۴	الحیات بعد الممات	مولوی فضل حسین بہاری	کراچی ۱۹۵۹ء
۷۵	تاریخ اہلحدیث	مولوی سید ابراہیم سیالکوٹی	لاہور ۱۹۷۰ء
۷۶	اہلحدیث کا مذہب	مولوی ثناء اللہ امرتسری	لاہور ۱۹۵۵ء
۷۷	ایضاً	ایضاً	لاہور ۱۹۷۰ء

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن اشاعت
۷۸	حیاتِ سید احمد شہید	محمد جعفر تھانیسری	کراچی ۱۹۶۸ء
۷۹	سیرت ثنائی	مولوی عبد المجید خادم سوہدروی	گوجرانوالہ ۱۹۵۲ء
۸۰	تراجم علمائے اہلحدیث	مولوی ابو یحییٰ نوشہروی	لائلپور ۱۳۹۱ھ
۸۱	ترجمان وہابیہ	نواب صدیق حسن بھوپالوی	لاہور ۱۳۱۲ھ
۸۲	مشاہدات کابل و یاغستان	مولوی محمد علی قصوری	کراچی انجمن ترقی اردو
۸۳	سیدی وابی	پروفیسر ابو بکر غزنوی	لاہور ۱۹۷۴ء
۸۴	تاریخ وہابیہ	حکیم محمد رمضان علی	لائلپور ۱۹۷۶ء
۸۵	مخالفین پاکستان	مولانا ضیاء اللہ قادری	سیالکوٹ ۱۹۸۵ء
۸۶	کاروان احرار جلد دوم	جانباز مرزا	لاہور ۱۹۷۷ء
۸۷	حجیت حدیث	مولوی اسمٰعیل سلفی	لاہور ۱۹۸۱ء
۸۸	بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد	رئیس احمد جعفری	لاہور ۱۹۶۹ء

اقتباسات

تضمین بر اشعارِ حضرتِ علامہ اقبال

یہ شانِ دیں ہے باطل کی پیروی کرنا
حرم سے اُڑ کے درِ بت کدہ پہ جا مرنا
ردائے علم کو گاندھی کے پاؤں پر دھرنا
عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسینؒ احمد ایں چہ بوالعجبی است

بھلا کے مصلحتِ دیں اور بھلا کے عہدِ الست
بتانِ دیر کے غمزوں پہ ہو گیا بدمست
وہ قوم کون سی ہے جس کا ہے یہ "قوم پرست"
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی است

(راجہ حسن اختر مرحوم سابق صدر مغربی پاکستان مسلم لیگ)

؎ نظام شمس و قمر از محمدؐ عربی است
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

(شورش)

ؐ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حسین احمد مدنی اور ابوالکلام آزاد

ہاں حسین احمد ہی شیخ الہند تھا کل تک ضرور
مسجد نبوی میں جو کل تک رہا گرم سجود
کل تک جس نے پلائے قوم کو زم زم کے جام
کل تک جس کی جلالت تھی حرم کی پاسباں
کل تک سر گرمیاں جسکی تھیں ملّت کیلئے
کل تک تھا جو اسیران کراچی میں سے ایک
دیکھ کیا حالت ہے اب کشمیر میں آزاد کی
قوم کے جوش غضب سے ڈر کے ہے روپوش آج
جس کے علم و آگہی پر تھا کبھی ملّت کو ناز

آج ہے لیکن "مقام مصطفٰے" سے بے خبر
واردھا کے آشرم میں جھک گیا آج اُسکا سر
تشنہ لب ہے آج خود گنگا پہ وہ عالی گہر
آج ہے وہ "کانگرس ورکنگ کمیٹی" کی سپر
آج ہے اسکو مسلمانوں کی محفل سے حذر
آج ملّت کے مقاصد پر نہیں اُس کی نظر
کٹ کے ملّت کے شجر سے اُسنے پایا کیا ثمر
جو کبھی اس ملک میں تھا قوم کا نُور نظر
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر

شخصیت کی ملّت بیضا کو ہے پرواہ کہاں
ہے وہی آزاد لیکن اب ہمارا ہے کہاں

(خان اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی
اگست ۱۹۴۵ ء)

ہوا ہے مولویوں کو یہ کیا میرے مولا
لگا رہے ہیں جو وہ مالوی کو سینے سے
یہ مولوی مدنی سے کوئی ذرا پوچھے
مدن سے آپکو نسبت ہے یا مدینے سے؟

(حضرت اسد ملتانی)

نشتغلرہ "۱۹۳۵ء کا ایکٹ ہندوستان کی تحریک آزادی میں ایک انقلابی سنگ میل کی حیثیت سے داخل ہوا۔ برطانوی پارلیمنٹ نے اس ایکٹ میں ایک ایسے نظام حکومت کی تشکیل کا پیغام دیا تھا جس میں ہندوستان کے تمام صوبوں کو داخلی خودمختاری دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یہیں سے مسلم لیگ کی سیاسی جدوجہد میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑی اور قائداعظم نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کرنا شروع کیا۔ مسلمانوں کے اتحاد کو دیکھکر ہندو کانگریس نے مسلمانوں میں انتشار وافتراق پیدا کرنیکی کوششیں تیز کردیں اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی ایک علیحدہ جماعت کھڑی کردی اس جماعت کے سرکردہ افراد میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اور خان عبدالغفار خان کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں"۔ (حکیم رشید اشرف ندوی، ہفت روزہ "استقلال" لاہور بابت ۱۷ر تا ۲۳ر دسمبر ۱۹۸۴ء ص ۴)

شوبوائے:۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی کشمکش جاری تھی۔ کانگریس کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو ایک قوم سمجھتی ہے لہٰذا وہ دونوں ہی کی نمائندہ جماعت ہے۔ کانگریس اپنے دعویٰ کی تائید میں نام نہاد نیشنلسٹ مسلمانوں کو پیش کرتی جس کی قیادت کے فرائض مولانا ابوالکلام آزاد ایک "شوبوائے" کی حیثیت سے انجام دے رہے تھے"۔

(حکیم رشید اشرف ندوی، ہفت روزہ "استقلال" لاہور ۱۷ تا ۲۳ دسمبر ۱۹۸۴ء ص ۵)

کانگرسی مولوی :- کانگریس کے مولوی کی کیا پوچھتے ہو کیا ہے
گاندھی کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے

(لسان العصر اکبر الہ آبادی)

۱۹۴۵ء کا تاریخی الیکشن اور مودودی جماعت

" بعض خوش فہم لیگی حضرات کا خیال تھا کہ جماعت اسلامی اس الیکشن میں ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی امداد کرے گی اور مسلم لیگ کا ساتھ دیگی - چنانچہ انہوں نے مخلصانہ طور پر جماعت اسلامی کو اسی سلسلہ میں دعوت بھی دی، جو اس نے ٹھکرا دی اور صاف اعلان کر دیا کہ :-

" ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے - پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو - بہر حال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اُصولوں کی قربانی گوارا کر لیں، جن پر ایمان لائے ہیں "

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۱۰۹، ۱۰۷ بحوالہ "کوثر" ۲۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

یزید:- "کانگریس، جمعیۃ العلماء کے اجلاس دہلی میں مولوی حبیب الرحمان لدھیانوی اور مولوی عطاءاللہ بخاری نے مسلم لیگ کو جو ملاحیاں سنائیں ان کا ذکر اخباروں میں آچکا ہے۔ ان لوگوں نے مسٹر محمد علی جناح کو یزید اور مسلم لیگ کے کارکنوں کو یزیدیوں سے تشبیہ دی۔ خدا کا شکر ہے کہ کہیں گاندھی کو امام حسین سے مشابہ قرار نہیں دے دیا۔"

(روزنامہ "انقلاب" لاہور ۱۵ر مارچ ۱۹۳۹ء صفحہ ۳)

کافر اعظم:- "مولوی غلام غوث ہزاروی ۱۷ر اگست ۱۹۴۷ء تک قائد اعظم اور نظریہ پاکستان کے خلاف رہے۔ لاہور میں احرار کا وہ جلسہ جس میں قائد اعظم کو کافر اعظم کہا گیا۔ اس کے صدر بھی غلام غوث ہزاروی تھے"

(اقبال، قائد اعظم اور پاکستان از راجا رشید محمود مطبوعہ لاہور ص ۳۸ ۱۹۸۳ء ص ۱۳۲ بحوالہ ہفت روزہ "زندگی" لاہور ۲۹ر ستمبر ۱۹۶۹ء)

حسین احمد مدنی:- "نئی دہلی ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مولوی حسین احمد نے مسلم لیگ میں مسلمانوں کی شرکت کو حرام قرار دیا۔ اور قائد اعظم کو کافر اعظم کا لقب دیا۔" (مجموعہ مکالمۃ الصدرین ص ۴۸)

لمحۂ فکریہ:- ہندوؤں کافروں کی ہمنوائی میں کانگرس میں شرکت حلال و ثواب اور مسلم لیگ میں شرکت حرام جاننا رئیس المشرکین گاندھی کو "امام" و "مہاتما" کہنا اور بانی پاکستان کو کافر اعظم قرار دینا ذہنی خلل والی عقل کا مظاہرہ نہیں تو اور کیا ہے؟

تیسری پارٹی" نہ کانگریس کی وزارتیں قائم ہوئیں اور مسلم لیگ صوبوں کی مجالس واضعان قانون میں حزب اختلاف کی حیثیت سے بیٹھی۔ اسی دوران پنڈت جواہر لال نہرو نے مدراس میں تقریر فرمائی جس میں کہا کہ ہندوستان میں صرف دو پارٹیاں ہیں ایک کانگریس دوسری گورنمنٹ برطانیہ۔ یہ مسلمانوں کے وجود کا انکار تھا اور مسلم لیگ کے وجود سے انکار۔ اس پر قائد اعظم نے کہا۔ نہیں تیسری پارٹی مسلمان ہیں اور مسلم لیگ ہے۔ یو۔ پی میں پانچ ضمنی انتخاب ہونے والے تھے۔ قائد اعظم نے اعلان کر دیا کہ اگر کانگریس کو یہ دعویٰ ہے کہ مسلمان اس کے ساتھ ہیں تو مسلم لیگ کے مقابلے میں یہ انتخابات لڑے اور جیت کر دکھائے۔ یہ انتخابات ہوئے۔ ایک طرف کانگریس تھی دوسری طرف مسلم لیگ۔ پانچوں نشستوں پر مسلم لیگ کے امیدوار کامیاب ہوئے۔ سہارنپور بلند شہر اور مراد آباد وہ مقامات تھے۔ جن میں جمعیت علمائے ہند کا بڑا اثر تھا۔ جمعیت العلماء نے اپنی تمام قوت صرف کر دی اور کچھ نہ کر سکی۔ اس سے ابو الکلام آزاد کے اس دعویٰ باطل کی حقیقت کھل گئی کہ یو پی میں مسلم لیگ کو جمعیت العلماء کی تائید سے کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں"۔

(سید حسن ریاض "پاکستان ناگزیر تھا" مطبوعہ کراچی طبع سوم سنہ ۱۹۸۲ء ص ۱۸۹ تا ۱۹۰)

خود عالمانِ دیں بھی پھنسے ہیں اس کے جال میں۔ جس کا نہیں ہے توڑ وہ ہے کانگرس کا جال
قرآں کے ترجماں ہیں کیوں بت کی طرح چپ۔ حالانکہ ہے مدینہ کے ناموس کا سوال
کیا انقلاب ہے کہ اساطینِ شرع کو۔ دم مارنے کی گاندھی کے آگے نہیں مجال
(چمنستان ظفر علی خاں ص ۲۰۷)

مفتی محمود اور تحریک پاکستان

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد فیصل آباد میں تقریر کرتے ہوئے مفتی محمود نے کہا :-

"خدا کا شکر ہے ہم پاکستان کے قیام کے گناہ میں شامل نہیں تھے"

(ماہنامہ "فیضان" فیصل آباد جون جولائی ۱۹۷۸ء ص ۱۴)

ابوالکلام آزاد اور تحریک پاکستان

"تحریک پاکستان کے راستے میں جو سنگ گراں حائل تھے۔ ان میں ایک مولانا (ابوالکلام آزاد) بھی تھے، انہوں نے ہر موقع پر پاکستان کے تصور اور مطالبے کی مخالفت کی"

(رئیس احمد جعفری، کاروان گم گشتہ، کراچی ۱۹۷۱ء ص ۳۹)

غلام الہندو:- "جب ابوالکلام جیسے مفسر قرآن عالم دین نے اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف کر کے سیکولر تصور کو مسلمانان برصغیر پر ٹھونپنا چاہا، تو انہوں نے اس کو رد کر دیا۔ اور ایک ایسے ہی مسلمان سے نہ رہا گیا اور کہہ اٹھا۔

؎ "جو تھا امام الہند کل آج امام الہندو ہے
کل تھا اک آزاد مسلمان آج غلام الہندو ہے،،

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۱ ستمبر ۱۹۸۴ء)

"اندرا گاندھی اور علمائے دیوبند"

۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۴ء کو اندرا گاندھی پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ واصل بہ جہنم ہوگئی۔ اس پر پاکستان کے دیوبندی مولوی صاحبان کو بہت صدمہ ہوا چنانچہ نظام العلماء پاکستان (جمعیت علماء اسلام عبیداللہ انور گروپ) کے مرکزی رہنماؤں مولانا زاہد الراشدی، مولانا محمد شریف وٹو اور مولانا بشیر احمد شاہ نے یوں اظہار رنج و غم کیا۔

"مسز اندرا گاندھی کے خاندان نے برصغیر کی آزادی میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔ ان کے دادا پنڈت موتی لعل نہرو اور باپ جواہر لال نہرو نے تحریک آزادی کے مسلم قائدین حضرت سید احمد بریلوی۔ شاہ اسمٰعیل شہید کی فکر اور شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا احمد سعید دہلوی کے ساتھ مل کر غیر ملکی حکمرانوں کو ہندوستان سے نکالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اندرا گاندھی نے اپنے اقتدار میں جمعیت علمائے ہند اور دارالعلوم دیوبند کی قومی خدمات کا ہمیشہ اعتراف کیا اور جشن دیوبند میں اکابر دیوبند سے خاندانی تعلقات کا برملا اظہار کیا۔ اس لئے پاکستان میں موجود ان علمائے حق کے جانشین اندرا کی موت کو امن کے لئے خطرناک تصوّر کرتے ہیں۔"

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور یکم نومبر ۱۹۸۴ء
بروز جمعرات۔

علامہ اقبال اور مولوی مودودی

" آج کل صالحین یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ حضرت علامہ نے مولانا موصوف کو حیدر آباد دکن سے پنجاب (پٹھانکوٹ) آجانیکی دعوت دی تھی اسکی تصدیق کے لئے دونوں شخصیات موجود نہیں ہیں اور نہ ہی دونوں جانب سے اس ضمن میں کوئی تحریری سند منظر عام پر آئی ہے۔ اگر قیام پاکستان کے پس منظر میں اس دعویٰ کا تجزیہ کیا جائے تو مولانا موصوف کے قیام پاکستان اور تصور پاکستان کے ضمن میں اقدامات ثبوت کے لئے کافی ہیں۔ کیا حضرت علامہ نے اپنے تصوّر " اسلامی مملکت " کی مخالفانہ تشہیر کے لئے مولانا کو پنجاب آنے کی مبیّنہ دعوت دی تھی۔ کیا علامہ جیسے عظیم مفکّر سے یہ توقع کی جاسکتی ہے ......؟

شد پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیر ہا!

(ولی مظہر ایڈووکیٹ "عظیم قائد عظیم تحریک" مطبوعہ ملتان سنہ ۱۹۸۳ء ص ۲۲۵)

لاتعلق:- • " اس نام نہاد حکومت (پاکستان) کے انتظار میں اپنا وقت یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت آخر ہم کیوں کریں • جس کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقصد کے لئے نہ صرف غیر مفید ہوگی • بلکہ کچھ زیادہ ہی سدِ راہ ثابت ہوگی۔" (سیاسی کشمکش حصہ سوم از مودودی ص ۱۷۰)

عالمانِ دین :۔ رسول اللہ کے گھر میں یہ کیسا انقلاب آیا
کہ گاندھی جی کی کٹیا "عالمانِ دین" کا ڈیرا ٹھہرے
خدا ہی جانتا ہے حشر اس ٹولی کا کیا ہو گا
حرم سے جس کی بدبختی نے رُخ ملت کا پھیرا ہے

(مولانا ظفر علی خان)

مودودی اور تحریک پاکستان

"۱۹۴۶ء میں میں اور راجہ غضنفر علیخان، قائداعظم کا پیغام لے کر مولانا مودودی کے پاس گئے اور کہا کہ آپ پاکستان کے لئے دعا کریں تو مولانا نے کہا ! آپ میرے پاس "ناپاکستان" کے لئے دعا کروانے آئے ہیں"!
اگر کسی کو میری باتوں سے اختلاف ہے تو عدالت میں اس معاملے کو لے کر جائیے میں ان سب باتوں کو ثابت کروں گا"!

(روزنامہ "جنگ" لاہور ۱۶ دسمبر ۱۹۸۴ء، (سردار شوکت حیات خان)

مودودی فتوی :۔ "خواہ اَن پڑھ عوام ہوں یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ یا کالجوں یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات ... اسلام کی روح سے ناواقف ہونے میں یہ سب یکساں ہیں" (تفہیمات ص ۳۸)

• "یہ انبوہ عظیم (حامیانِ پاکستان) جس کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ اس کے ۹۹۹ فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں۔ نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں۔"

(سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۱۳۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گزارش

اللہ تعالیٰ نے اضداد کو اس لئے پیدا فرمایا۔ تاکہ نیکی اور حق و صداقت کا علم بلند ہو۔ مثلاً تاریکی سے روشنی، قابیل سے ہابیل، نمرود سے ابراہیم۔ فرعون سے موسیٰ، ابوجہل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یزید سے امام حسینؓ، اکبر سے حضرت مجددؒ الف ثانیؒ اور کانگریسی مولویوں سے مسلم لیگ کی شان بلند ہوئی۔

معلوم ہوا کہ اگر نیکی اور بدی کی آپس میں ٹکر نہ ہو تو نیکی بلند و بالا نہیں ہوتی۔ بدی شروع ہی سے حق و انصاف کی آواز کو دبانے کے لئے کمربستہ ہے اور نیکی سینہ تان کر ہر سود و زیاں کو بالائے طاق رکھکر یہ پکارتی رہی ہے ؎

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

اس کتاب میں تذکرہ ہے اُس بدی کا جو تحریک پاکستان کے دور میں کئی رُوپوں، مثلاً یونینسٹ پارٹی، جمعیت العلمائے ہند، مجلس احرار، خاکسار تحریک جماعت اسلامی وغیرہ میں نیکی یعنی قیامِ پاکستان سے برسرِ پیکار رہی۔ کانگریس کی گود میں بیٹھ کر ہندو کے اشارے پر اسلامیانِ برصغیر پر طرح طرح کے تیر برساتی رہی۔ اکھنڈ بھارت کے لئے سعی نامشکور کرتی رہی۔ اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے عبداللہ بن ابی، ابن علقمی، میر جعفر، میر صادق، علی نقی اور مرزا الٰہی بخش کا کردار ادا کرتی رہی۔ مسلمانوں کو ہندو کی ابدی غلامی میں دینے کے لئے اپنا سارا زور صرف کرتی رہی۔ مگر نیکی نے پاکستان کا روپ دھار کر بدی کے سب منصوبے ملیا میٹ

کر دیئے۔

آج بدی کے پیروکار تحریک پاکستان کی مخالفت کی طرح طرح سے تاویلیں کر رہے ہیں۔ نئی نسل کے اذہان کو نظریہ پاکستان سے برگشتہ کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ ان کے شب و روز اس مذموم کوشش میں گزر رہے ہیں کہ پاکستان کے وجود کو ختم کر کے یہاں قال اللہ اور قال الرسول کے بجائے بجے ہند کے نغمے الاپیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ بدی کے مختلف کرداروں کو بے نقاب کیا جائے تاکہ نژاد نو عبرت حاصل کر کے وطن عزیز پاکستان کی تعمیر و ترقی کیلئے تن من دھن کی بازی لگا دے اور بدی کو ختم کرنے کے لئے اپنی تمام تر مساعی صرف کر دے۔

ممکن ہے قارئین یہ اعتراض اٹھائیں کہ بدی کے کردار تو بیشمار تھے لیکن یہاں تو صرف چند ایک کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ اگر تمام کرداروں کا فرداً فرداً ذکر کیا جاتا تو کتاب کئی جلدوں میں پھیل جاتی جسکی طباعت مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جاتی اس لئے چیدہ چیدہ لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ باقی لوگ خود بخود ان کے ساتھ شامل سمجھے جائیں گے۔ مثلاً جمعیت علماء ہند کے حسین احمد مدنی کے حالات شامل کئے گئے ہیں ان کے پیروکاروں مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مفتی محمود، احمد علی لاہوری وغیرہ کے بھی یہی نظریات تھے لہٰذا علیحدہ شامل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ مجلس احرار کے دو سرکردہ لیڈروں عطاء اللہ شاہ بخاری اور حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی پاکستان دشمنی کی داستان بیان کر دی گئی ہے لہٰذا غلام غوث ہزاروی، مظہر علی اظہر، شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، نواب زادہ نصر اللہ خاں، شورش کاشمیری، چوہدری افضل حق، قاضی احسان احمد شجاع آبادی وغیرہ کے ذکر کی

کیا ضرورت۔ کیونکہ یہ سب کے سب اپنے اکابر کے نقوش پا کو ہی چومتے تھے۔

خاکسار تحریک سے صرف مشرقی ہی قابل ذکر تھے جماعت اسلامی کے امیر مودودی کا تذکرہ شامل کتاب ہے ان کے متبعین میاں طفیل محمد، نصر اللہ خاں عزیز، امین احسن اصلاحی وغیرہ کا ذکر بے مقصد تھا۔ ابوالکلام آزاد کے پیروکاران کو امام الہند کہتے ہیں۔ لہٰذا یہاں امام کے کردار کو آئینہ نظر کیا ہے۔ مقتدیوں کا حال اسی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

مؤلف

۷؍ دسمبر ۱۹۸۴ء جمعۃ المبارک

۷ بجے شب

ابوالکلام آزاد

ابوالکلام آزاد ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو دہلی میں انتقال کیا۔ مسلمانوں سے زیادہ صدر ہندوستان بابو راجندر پرشاد، نائب صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن، پنڈت جواہر لال نہرو و دیگر ہندو غمزدہ ہوئے۔ روئے اور خوب روئے۔ پنڈت پنت نے درد سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا " مولانا ایسے لوگ پھر کبھی پیدا نہ ہوں گے اور ہم تو کبھی نہ دیکھ سکیں گے "۔ بقول شورش کاشمیری " راجندر بابو نے آنسوؤں کی سیل میں بھگو کر پھول نچھاور کئے۔ پنڈت نہرو نے گلاب چھڑکا تو بے اختیار ہوگئے۔ لوگوں نے سہارا دیا اور جب مٹی دینے لگے تو بلک بلک کر رو رہے تھے۔ راجندر بابو دمہ کے مریض ہونے کے باوجود صبح ہی سے تصویر یاس بنے کھڑے تھے۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے کہ آج ۳۸ سال کی دوستی اور رفاقت کا انت ہوگیا "۔ ؎۱

ہندوؤں کو اتنا غمزدہ ہونا ہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ ابوالکلام آزاد نے ہمیشہ اسلام دوستی کے بجائے ہندو دوستی کا دم بھرا۔ مسلم لیگ کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا کر کانگریس کی حمایت میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔ ہندوؤں کی مالی امداد سے تحریک پاکستان کی اپنی ہمت سے بڑھ کر مخالفت کی اور مسلمانوں کو ہمیشہ غیر مشروط طور پر کانگریس میں شرکت کی دعوت دی ؎۲ اپنی کتاب " مسلمان اور کانگریس " میں کانگریس کے گیت گائے اور مسلم لیگ کو نشانۂ تضحیک و توہین بنایا۔ ؎۳

؎۱ بیس بڑے مسلمان از عبدالرشید ارشد، لاہور ۱۹۷۵ء ص ۷۱۶، ۷۷۶، ۷۷۷

؎۲-۳ مسلمان اور کانگریس از ابوالکلام آزاد مطبوعہ آزاد بک ڈپو لاہور ــ اقبال کے آخری دو سال از عاشق حسین بٹالوی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۹ مشاہیر جنگ آزادی از مفتی انتظام اللہ شہابی کراچی ۱۹۵۷ء ص ۳۲۱

مسلم لیگ، قائداعظم اور تحریک پاکستان کی مخالفت ابوالکلام کی رگ رگ میں رچی ہوئی تھی۔ کانگریس کی حمایت انکی زندگی کا مقصدِ وحید تھا۔ مسلم لیگ کی مخالفت اُن کے لئے توشۂ آخرت تھا۔ ہندوؤں کی خوشنودی حاصل کرنا ان کا وظیفہ حیات تھا انہوں نے پاکستان کی مخالفت میں تمام عمر وفاداری بشرط استواری سے کام لیا۔ کانگریس کے صدر کی حیثیت سے مسلم دشمن کارناموں کی وجہ سے قائداعظم سے "شو لوائے" کا خطاب پایا۔ جسے تاریخ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے سینے میں محفوظ کر لیا۔ انہوں نے پاکستان کے خلاف زہر اگلتے ہوئے فرمایا۔

"میں اسکا اعتراف کرتا ہوں کہ "پاکستان" کا لفظ ہی میری طبیعت قبول نہیں کرتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا ایک حصہ تو پاک ہے اور باقی ناپاک —— علاوہ ازیں میں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان کی اسکیم شکست خوردگی کی ایک واضح علامت ہے اسکی تعمیر جس بنیاد پر رکھی گئی ہے وہ ہے یہودیوں کے قومی وطن کی مثال ہے"[۱]۔

انگریز نوازی:- ناظرین کرام۔ اس ارشاد گرامی پر پوری توجہ سے غور و فکر فرمائیں اور ان کی مسلم دشمنی اور ہندو نوازی کی دل کھول کر داد دیں۔ معلوم نہیں کہ اس ایک بیان کے بدلے ٹاٹا اور برلا کے کارخانوں سے کتنی سنہری گولیاں ملی ہوں گی۔ مولانا کو حکام پرستی اور ہندو نوازی کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ پہلے وہ انگریزی حکومت کی مدح و ستائش کر کے مال کماتے رہے۔ پھر کانگرس کی گود میں بیٹھ کر دولت کی ریل پیل کے مزے لوٹتے رہے ۱۹۰۲ء میں جشن تاجپوشی شاہ برطانیہ کے موقع پر مولانا نے فارسی زبان میں ایک طویل قصیدہ لکھ کر برطانیہ کی نمک خواری کا پورا پورا ثبوت فراہم کیا۔

---

[۱] تاریخ نظریہ پاکستان از پیام شاہجہانپوری لاہور ۱۹۷۰ء ص ۳۵۱ - آزادی ہند مترجم رئیس احمد جعفری لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۲۷۔

بخوف طوالت ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے اس قصیدے کا صرف آخری حصہ نقل کیا جاتا ہے

ایوان فلک چہ زرنگار است — در بزم فلک چہ این بہار است
زد نعرۂ مست بادہ نوشاں — شوریست بکوئے مے فروشاں
عیش است براہ سر نہادہ — آغوش طلب رہے کشادہ
ہر شاہد حسن جلوہ آرا — ہر شوق طرب بدست آرا
در گوش دلم عجب صدائے — مستم چو رباب زین نوائے
جشنیست کہ جشن شادمانی — خوش راحت و عیش زندگانی
شد تخت نشین بہ تخت انگلینڈ — خوش بخت شد است بخت انگلینڈ

یعنی ایڈورڈ شاہِ جمجاہ — شد تخت نشین بہ عزت و جاہ
شاہیست چہ شاہِ مہربانی — در کشور علم حکمرانی
اقبال ز پائے او مقیم است — از رشک دل شہاں دو نیم است
محسود کہ شغل او شب و روز — فریاد و فغاں و آہ دل سوز
دولت چو غلام خانہ زادش — صولت ز صدائے او بپایش
آہوئے کرم بہ او رمیدہ — شہباز ہم باد بریدہ
اطراف زمین تہ نگینش — شوکت بہ جہاں شدہ مکینش

صد گنج مراد زیرِ پائیش — صد راہِ نشاط سوئے جائیش
افراختہ رایت سیاست — ممتاز بہ حشمت و فراست
اے غازۂ حسن خاکِ راہش — خورشید ستارۂ کلاہش
فرخندہ بچشم دل نگاہش — مارا ز جہاں سزد پناہش

گریز بدعا

گریز بدعا

سرخوش ز شرابِ مدح بودم
غوطہ زنِ آبِ مدح بودم

کامد ناگہ صدائے دلبر
ہش دار مقامِ خویش بنگر

تو لائق مدح نیست آزاد
بس کن بس کن دعائے دلشاد

دستم بدعا کنوں بر آرم
کہ اے ربِّ قدیر کرد گارم

باشند بہ ادب قیامِ شاہی
با صولت و رعبِ عزّو جاہی

قطعۂ تاریخ

ہوئی لندن میں از فضلِ الٰہی
نہایت شان سے جب تاج پوشی

کہا آزاد نے بڑھ کر ادب سے
مبارک شاہ کو اب تاج پوشی

—— ۱۳۲۰ھ ——

۲۵ رجون ۱۹۰۲ء بروز جمعرات کلکتہ میں جشنِ تاجپوشی کے سلسلہ میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں آزاد نے بڑھ چڑھ کر شرکت کی اور حاضرین مشاعرہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ " ابتدائے عالم سے آج تک تمام بادشاہانِ وقت میں اس کی نظیر نہ ملے گی کہ باوجود اختلافِ قومیت اور اختلافِ وطنیت کے اس آزادی کے ساتھ سلطنت کی ہو۔ یہ اس گورنمنٹ کی خاص آزادی اور اہل ہند کی جانب توجہ ہے " ؎

ہندو مذہب۔ لگے ہاتھوں ہندو مذہب سے ان کی عقیدت و محبت بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

" جہاں تک میرا مطالعہ ہے دنیا کے تمام مذاہب میں نظریہ توحید کو جس مذہب نے سب سے زیادہ قریب سے دیکھا ہے وہ ہندو مذہب ہے میرے پاس اس کے

؎ نوادر ابوالکلام از عبدالغفار شکیل مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۶۲ء ص ۲۱ تا ۲۵، ۱۸۱ ارمغان آزاد جلد اول از ابوسلمان شاہجہانپوری مطبوعہ کراچی ۱۹۷۸ء ص ۷۳ تا ۷۵، ۱۹۷

بہت سے تاریخی شواہد و نظائر موجود ہیں۔" ۶ے

آزاد کی ہندو مذہب سے اس شیفتگی اور والہانہ لگاؤ کی وجہ سے ہی غالباً کسی نے "امام الہنود" کا خطاب مرحمت فرمایا تھا۔ جس کے وہ ہر لحاظ سے حقدار اور اہل تھے۔ ع یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

بات ہو رہی تھی آزاد کی پاکستان دشمنی کی مگر ہم کہاں سے کہاں جا پہنچے لیجئے اب پھر اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور حضرت مولانا کی اسلام دشمن کارروائیوں سے آپ کو آگاہ کرتے ہیں۔

کانگریس کے صدر منتخب ہونے کے بعد آزاد نے لاہور میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"جناح کا یہ نظریہ کہ ہندوستان میں (ہندو اور مسلمان) دو جداگانہ اقوام ہیں غلط فہمی پر مبنی ہے میں اس باب میں ان سے متفق نہیں ہوں۔"

(اسٹیٹسمین ۲/۴ ۱۹) ۷ے

آزاد مسلم لیگ سے اسقدر بغض و عناد رکھتے تھے۔ کہ انہوں نے ایک دفعہ خواجہ حسن نظامی کو ایک پرچہ پر لکھ دیا تھا۔

"سب باتیں منظور باستثنائے شرکت مسلم لیگ" ۸ے

آزاد کی مسلم لیگ دشمنی اور کانگرس پرستی کا عقدہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس طرح حل کیا کہ

"مولانا آزاد جب امام الہند نہ بن سکے اور علماء نے ان کو نظر انداز کر دیا تو انہوں نے اپنی انا کی تسکین کے لئے کانگرس میں شمولیت اختیار کر لی۔" ۹ے

۶ے نوادر ابوالکلام ص ۱۸۹

۷ے تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۲۱۳ ۸ے مولانا آزاد اور ان کے ناقد از ایم اے شاہد مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء ص ۴۴ بیس بڑے مسلمان ص ۵۱۷۔ ۹ے مولانا آزاد اور ان کے ناقد ص ۵۵

۱۹۴۰ء میں مولانا آزاد نے رام گڑھ کانگرس کے خطبۂ صدارت میں ببانگِ دہل فرمایا :-

"میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں میں ہندوستان کی ایک ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک ایسا عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے ۔ میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر حامل فیکٹر (FACTOR) ہوں میں اس دعوئ سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا" [۱۰]

آزاد کی مسلسل اسلام دشمنی اور کانگرس نوازی کے پیش نظر جناب سید انور کرمانی نے ایک نظم لکھی تھی جو روزنامہ " نوائے وقت " لاہور مورخہ ۳ر جولائی ۱۹۴۶ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی ۔ ملاحظہ فرمائیے [۱۱]

اے کہ تجھ کو اپنی ملت ہیچ ہے کد
کھا گیا تجھ کو قیادت کا حسد

تو نے کی جس کی اشاعت پے بہ پے
کیا یہی وہ غلبۂ اسلام ہے

علم و فکر و آرزو و جستجو
مستعار و رہنِ افسونِ عدو

بندگیٔ غیر کا گردن میں طوق
کم سواد و کم نگاہ و کور ذوق !

اے اسیرِ حکمتِ عصرِ جدید
حق سے نومیدی، برہمن سے امید

تیرے ہنگاموں سے ملت سرنگوں
سومناتی ہے تیرا ذوقِ جنوں !

راس کعبے کی ہوا تجھ کو نہیں
آنکھ محروم نظر، دل بے یقیں

یہ جہاں یہ مال و دولت ہیچ ہے
یہ قیادت، یہ سیادت ہیچ ہے

کفر کے طوفان میں دیوارِ حرم
اور ہے خاموش غدارِ حرم

---

[۱۰] مولانا آزاد اور ان کے ناقد ص ۸۹

[۱۱] تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۳۵۵

از شکر فیہائے ایں قرآن فروش
دیدہ ام روح الامین را در خروش

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے ابوالکلام آزاد کی خدمات کو بڑے احسن انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

" بدرالدین طیب جی سے لیکر تصدّق احمد خاں شروانی تک ہندوستان کے بیسیوں مسلمان اکابر وقتاً فوقتاً کانگرس میں شریک رہ چکے ہیں جن میں محمد علی ایسے آتش نفس، انصاری ایسے ایثار پیشہ، جناح ایسے آئین پسند، حسن امام ایسے قانون دان اور حسرت موہانی ایسے رئیس المعتزلین سبھی قسم کے لوگ موجود تھے لیکن مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس بے حسی بلکہ سنگدلی سے قربان کرنے کا شرف حضرت " امام الہند " (امام الہنود) کے حصے میں آیا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا " ۱۲

آزاد کانگرس کی محبت میں اسقدر مستغرق ہو چکے تھے (بلکہ بہ الفاظ دیگر فنا فی الہندو کے مرتبہ پر فائز ہو چکے تھے) کہ وہ کسی صوبے میں بھی مسلمانوں کی حکومت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ آسام میں سعداللہ وزارت کو ناکام بنانا آزاد کی کوششوں کا کرشمہ تھا۔ آسام اسمبلی کے ممبروں کی تعداد ۱۰۸ تھی جن میں سے ۳۵ مسلمان تھے اور ۳۳ کانگریسی ہندو۔ سعداللہ نے غیر کانگریسی ارکان کو اپنے ساتھ ملا کر ایک اچھی خاصی مضبوط حکومت قائم کر لی تھی لیکن کانگریس اندر ہی اندر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے میں مصروف رہی اور بالآخر ۱۲ ستمبر ۱۹۳۸ء کو اپنی وزارت بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ ۱۳

---

۱۲ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۷۳۳

۱۳ اقبال کے آخری دو سال ص ۵۵۴

آزاد کے اس اہم کارنامے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی یوں رقمطراز ہیں۔

"مولانا کا صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں ان کی جداگانہ ہستی کو ختم کر کے انہیں ہندو اکثریت میں مدغم کر دیا جائے اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں سازشوں، ریشہ دوانیوں اور افترا پردازیوں کے جال پھیلا کر ان کی قومی جمیعت کو پارہ پارہ کیا جائے تاکہ اغیار کو حکمرانی کے مواقع مہیا ہوتے رہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" [۱۴]

کون نہیں جانتا کہ ۴۶-۱۹۴۵ء کے انتخابات معرکۂ دین و وطن تھے۔ حق و باطل کا فیصلہ تھے، کفر اور اسلام کے مابین مقابلہ تھے بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ اسلامیان برصغیر کی تقدیر کا فیصلہ تھے۔ مسلم لیگ نے بتائید ایزدی مرکزی اسمبلی میں سو فیصد کامیابی حاصل کی۔ کانگرس کی صفوں میں ماتم برپا ہو گیا اور وہ صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے اپنے تمام وسائل و ذرائع بروئے کار لا کر (اگرچہ مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا) میدان میں اتر آئی۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھنؤ کے ایک جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"ہم انتخابات کی پوری تیاری کریں گے جو کوئی ہماری مخالفت کرے گا اسے کچل دینگے ہم اپنے بنیادی اصولوں کے بارے کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے، ہم لڑنا جانتے ہیں، ہم نے حکومت برطانیہ سے بھی لڑائی کی ہے"۔

بمبئی میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کے جلسے میں پنجاب کے ایک کانگرسی رکن نیکی رام شرما نے مسلم لیگ پر سوقیانہ انداز میں حملے کرنے کے بعد کہا:۔

---

[۱۴] اقبال کے آخری دو سال ص ۵۶۴

" یہ چاروں اکثریتی صوبوں میں مسلم لیگ چاروں شانوں چت گرے گی مسلمان بھوکے ہیں وہ اسی کو ووٹ دیں گے جو انہیں روٹی دیگا"۔

آزاد نے بھی اعلان فرمایا کہ :۔

" صوبائی مجالس آئین ساز کے انتخابات میں ہر مسلم نشست کا ہم مقابلہ کریں گے اور غیر معمولی کامیابی حاصل کریں گے"۔

اس کے بعد مجلس احرار اور دوسری مسلم لیگ دشمن جماعتوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا۔ کہ :۔

" وہ منظم ہوکر ایک وجود بن جائیں اور ڈٹ کر مسلم لیگ کا مقابلہ کریں"۔!

مولانا آزاد کی یہ اپیل کارگر ہوئی اور خاکسار، جمعیت علمائے ہند اور دیگر جماعتوں نے مسلم لیگ کے خلاف ایک محاذ بنا لیا۔ انہوں نے مسلم لیگ کے راستے میں کانٹے بچھائے پتھر پھینکے، چاقو اور خنجر سے وار کئے جلسے درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔

کانگرس نے اور کانگرس کے ان حلیفوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا مجلس احرار کے داعظان آتش مقال اور علمائے شیادہ بیان دورے پر نکل پڑے۔ عطاء اللہ شاہ بخاری اور شورش کاشمیری کی خطابت نے رنگ باندھے مگر بُری طرح پٹے دیوبند کے طلباء کی ایک جماعت حسین احمد مدنی کی قیادت میں شہر شہر اور قریہ قریہ گشت کرتی رہی، جہاں موقع ملتا، آزاد بھی بذریعہ طیارہ پہنچ جاتے، غرض تفریق بین المسلمین اور تضعیف شوکت مومنین میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا

احرار اور خاکسار میدان انتخاب میں زور زبان اور قوت استدلال سے زیادہ دست بازو کی طاقت کے بل پر اترے، ہنگامہ آرائی کی، شورش اور بدامنی کے مظاہرے کئے ان کا کوئی عظیم الشان جلسہ ایسا نہیں ہوا جس میں مسلم لیگ کو اور قائداعظم کو ایک ایک منٹ میں سو سو گالیاں نہ دی گئی ہوں۔ مگر نتیجہ مولانا کی امیدوں کے بالکل برعکس نکلا۔[15]

[15] آزادی ہند ص ۴۴ تا ۱۴۶

اب ہم صوبائی اسمبلیوں کی نشستوں کے نتائج کی تفصیل پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین مسلم لیگ کی زبردست کامیابی سے آگاہ ہوسکیں اور یہ اندازہ بھی کرسکیں کہ کانگریس کا بے پناہ روپیہ آزاد کا علم و فضل اور ان کے دیگر ساتھیوں کا اثر و رسوخ مسلم لیگ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔ بلکہ رسوائی اور ذلالت ان سب کا مقدر ٹھہری۔

نام صوبہ	کل مسلم حلقے	کامیاب مسلم لیگی امیدوار	نتیجہ فیصدی	کیفیت
سرحد	۳۸	۱۷	۴۵٪	
پنجاب	۸۶	۷۵	۸۷٪	
سندھ	۳۵	۲۸	۸۰٪	
بنگال	۱۱۹	۱۱۳	۹۵٪	
آسام	۳۴	۳۱	۹۱٪	
یوپی	۶۶	۵۵	۸۳٪	
بمبئی	۳۰	۳۰	۱۰۰٪	
مدراس	۲۹	۲۹	۱۰۰٪	
سی پی	۱۴	۱۴	۱۰۰٪	
بہار	۴۰	۳۴	۸۵٪	
اڑیسہ	۴	۴	۱۰۰٪	
میزان	۴۹۵	۴۳۰	۸۷٪	

اس طرح پورے ہندوستان میں ۴۹۵ مسلم نشستوں کیلئے ۴۳۰ مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی ایک بڑی زبردست کامیابی تھی جس نے حصول پاکستان کی راہ ہموار کردی۔

لــــه حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

آزاد نے اس شکست کا بدلہ لینے کیلئے لاہور آکر بڑی حکمت و دانائی سے مسلم اکثریت کو پنجاب میں حکومت کرنے کے حق سے محروم کر دیا۔ مسلم لیگ کی اکثریت ہوتے ہوئے بھی بچے کھچے یونینسٹوں کو کانگریسی اور اکالی عناصر کے ساتھ منسلک کر کے غیر لیگی وزارت تشکیل دے کر خضر حیات کو وزیر اعظم بنا دیا اور پنجاب میں کشت و خون کا بیج بو دیا۔ مولانا کا یہ کارنامہ تاریخ میں آب زر سے لکھا جائے گا۔ ؎۱۷

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے ۲۹ رجون ۱۹۴۶ء کی اشاعت میں آزاد کو اچھی طرح بے نقاب کیا ہے۔ پڑھیئے اور لطف اٹھائیے :-

غدّاری کا دوسرا نام ابوالکلام آزاد

"مولوی ابوالکلام آزاد ہندوستانی سیاسیات میں آجکل وہی پارٹ ادا کر رہے ہیں جو دو سو سال پہلے بنگال میں میر جعفر اور میسور میں میر صادق نے ادا کیا۔ یا ہمارے اپنے زمانے میں لاوَل نے فرانس میں اور کوئزلنگ نے ناروے میں۔

یہ حقیقت مبالغے سے بالکل خالی ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے استقلال اور ہندوستان کی ترقی کے رستے میں سب سے بڑی چٹان مولوی ابوالکلام آزاد کا وجود گرامی اور ان کی خالص خود غرضانہ سیاسیات ہیں ۱۹۲۵ء کی شملہ کانفرنس کی ناکامی کی ایک بڑی وجہ مولوی صاحب کی ہٹ دھرمی تھی اور ۱۹۴۶ء کی گفتگوئے مفاہمت تین ماہ کی مسلسل تگ و دو کے بعد اس کی ناکامی کا ناقابل رشک شرف بھی مولوی ابوالکلام آزاد ہی کے حصے میں آیا۔

۱۶؎ عظیم قائد از نوابزادہ محمود علی خان مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء ص ۹۰

۱۷؎ آزادی کی کہانی میری زبانی از سردار عبدالرب نشتر مطبوعہ کراچی ۱۹۷۹ء ص ۸۴
قائد اعظم اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری لاہور ۱۹۶۶ء ص ۷۶۵ -

ہندوستان کے آئندہ دستور کے سلسلے میں مولوی ابوالکلام آزاد نے وزیر ہند کو جو خط لکھے وہ منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان خطوط کی ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف مسلمانوں کے خلاف زہر میں بجھے ہوئے تیروں کا درجہ رکھتے ہیں۔

مولوی صاحب نے ان خطوں میں وزارتی مشن کی اس تجویز کے خلاف پُر زور احتجاج کیا تھا۔ کہ مجوزہ مرکزی یونین کی مجلس آئین ساز اور اسکی اگزیکٹو میں مسلمانوں اور ہندوؤں کو مساوی نمائندگی دی جائے۔ بیسویں صدی کے اس "امام الہند" کی دلیل یہ تھی کہ مسلمان محض ایک اقلیتی فرقہ ہیں اور جمہوری اصولوں کے پیش نظر اس اقلیتی فرقے کو عظیم ہندو کے مقابلے پر مساوی نمائندگی نہیں دی جا سکتی۔ ان خطوط کی اشاعت نے صدر کانگرس کے ان معدودے چند مداحین کو بھی جنہیں ابھی تک ان کی ذات گرامی سے حسن ظن وابستہ ہے فرط حیرت میں ڈال دیا تھا۔ کہ کیا یہ سطور کسی مسلمان کی طرف سے نکل رہی ہیں؟ مگر ۲۹ جون کو مولوی ابوالکلام آزاد نے اپنے دستخطوں سے جو خط وائسرائے کے نام بھیجا تھا مولوی صاحب کے مذکورہ بالا خطوط بھی ان کے اس گرامی نامہ کے سامنے ماند ہیں۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ قائد اعظم جناح نے ۱۸ جون کو وائسرائے کے نام ایک خط لکھا جس میں موصوف سے پوچھا گیا تھا۔ اوّل۔ اگر اچھوتوں، عیسائیوں، سکھوں اور دیگر پارٹیوں کے نمائندوں میں سے کسی صاحب نے مجوزہ عارضی حکومت میں شرکت منظور نہ کی یا کسی آئندہ مرحلے پر سکھوں، پارسیوں، اچھوتوں اور عیسائیوں میں کوئی نشست خالی ہو گئی تو کیا اس نشست کو پُر کرتے وقت مسلم لیگ سے مشورہ لیا جائے گا۔ وائسرائے اس بات کا جواب اثبات میں دیا۔ دوم: عارضی حکومت کی تشکیل میں جس فرقہ وارانہ تناسب کو ملحوظ رکھا گیا ہے بعد میں اسمیں کوئی تبدیلی تو نہیں کی جائیگی۔ وائسرائے کا جواب نفی میں تھا۔

سوئم - کیا وائسرائے مسلم لیگ کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ اگر مجوزہ عارضی حکومت کے مسلمان ارکان کی اکثریت کسی فرقہ وارانہ فیصلہ کے خلاف ہو تو اس فیصلہ کو عملی جامہ نہیں پہنایا جائیگا - وائسرائے نے اس سوال کے جواب میں مسٹر جناح کو مطلوبہ ضمانت دیدی - موٹی عقل کا آدمی بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ ان تینوں سوالوں کا براہ راست تعلق مسلمانوں سے ہے اگر مسلم لیگ کی جگہ جمعیت علمار اور قائد اعظم کی جگہ مولوی حسین احمد مدنی ہوتے تو انہیں بھی مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کیلئے وائسرائے کو یہی تین سوال پوچھنے چاہیئے تھے - اس لئے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ قومیت کے فقدان کی وجہ سے یہ ملک مغرب کے نظام جمہوری کے لئے قطعاً ناموزوں ہے مغرب کے نظام جمہوری کے ماتحت برطانوی یا فرانسیسی پارلیمنٹ میں آج جو جماعت اقلیت میں ہے کل وہ مبدل بہ اکثریت ہو سکتی ہے -

اسی طرح اکثریت والی پارٹی مستقبل میں اقلیت میں بدل سکتی ہے لیکن ہندوستان میں اقلیت ہمیشہ یا کم از کم آئندہ دو سو سال تک اقلیت میں رہے گی - اور اکثریت اس طرح مستقل اور ناقابل تغیر" اکثریت میں - جہاں اقلیت اور اکثریت اس طرح مستقل اور ناقابل تغیر" ہو وہاں اقلیت پارٹی مناسب تحفظات اور ضمانتوں کے بغیر کسی کولیشن یا وزارت یا حکومت میں شرکت نہیں کر سکتی اور اگر وہ ایسا کرے تو مہلک سیاسی غلطی کی مرتکب ہو گی -

مولوی ابوالکلام آزاد نے وائسرائے کے نام جو خط لکھا اسمیں سب سے پہلا اعتراض اس بات پر ہے کہ مسٹر جناح نے اچھوتوں کو ہندوؤں سے ایک علیحدہ اقلیت کیوں قرار دیا - مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ " ہم اچھوتوں کو ہندو سماج کا ایک لازمی عنصر سمجھتے ہیں "

ہمیں معلوم نہیں تھا کہ "الہلال" کا ایڈیٹر اور ترجمان القرآن کا مصنف

راشٹرپتی کی گدی پر بیٹھ کر مفسر قرآن کی بجائے منوؑ کے دھرم شاستر کا شارح بن بیٹھا ہے اور ہندو سماج کو افتراق و انتشار سے بچانے کا فرض بھی اس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے خواہ اس فرض کی ادائیگی میں اسے سات کروڑ اچھوتوں کے جائز حقوق ہندو جاتی کے سامراج کی ہی خاطر غصب کیوں نہ کرنے پڑیں۔

مولوی ابوالکلام آزاد کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ اگر اچھوتوں، پارسیوں، عیسائیوں اور سکھوں کی کوئی نشست خالی ہو تو اسے پُر کرنے سے پہلے مسلم لیگ کے صدر سے مشورہ کیوں لیا جائے۔ مولوی صاحب یہ فرماتے ہیں۔ایک ایسی جماعت کو جو صرف ایک قوم کی نمائندگی کی دعویدار ہے اقلیتوں کی نمائندگی کرنے کے معاملہ میں مشورے کا مستحق کیوں گردانا گیا۔ بالفاظ دیگر مولوی صاحب کو اس پر اعتراض ہے کہ ایک ایسی جماعت جو صرف مسلمانوں کی نمائندہ ہے کولیشن حکومت میں شرکت کے باوجود کولیشن میں اپنے ساتھی عناصر کے انتخاب کے معاملہ میں رائے دینے کی مستحق کیوں سمجھی گئی۔ مولوی صاحب کے نزدیک یہ حق صرف ہندو کانگریس کیلئے جس کے وہ نمائشی مسلمان صدر ہیں مخصوص رہنا چاہیئے۔

لیکن سب سے حیران کن اعتراض جس کی توقع کوئی مسلمان مولوی ابوالکلام سے بھی نہیں کر سکتا تھا اس بات پر کیا گیا کہ وائسرائے نے قائداعظم جناح کا یہ مطالبہ کیوں مانا کہ اگر عارضی حکومت ممبروں کی اکثریت کسی فرقہ وارانہ فیصلے کے خلاف ہوگی تو اس فیصلے کو عملی جامہ نہیں پہنایا جائیگا۔جیساکہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں اس ضمانت کے بغیر مسلمانوں کی کسی کولیشن حکومت میں شرکت مہلک ہوگی اور یہ ضمانت مسلمانوں کے حقوق و مفاد کے لحاظ سے قطعاً ناگزیر ہے۔مگر مولوی ابوالکلام آزاد اس پر بھی ناراض ہیں کہ وائسرائے نے یہ ضمانت دیکر عارضی حکومت میں ویٹو کی طاقت مسلم لیگ کے حوالے کر دی۔ یعنی مولوی ابوالکلام آزاد کا اطمینان صرف اسی صورت میں ممکن

ہے کہ وائسرائے مسلمانوں کو ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتے اور ہندو اکثریت کو یہ حق دے دیا جاتا کہ وہ اپنے ووٹوں کی اکثریت کے بل بوتے پر من مانی کارروائی کرے۔

مولوی ابوالکلام نے کانگریس کی قومی حیثیت کا بھی رونا رویا ہے۔ کم از کم انہیں تو یہ ذکر چھیڑتے ہوئے ندامت محسوس کرنی چاہیئے۔ ہندوستان کی مختلف اسمبلیوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد صرف ۵۲۲ ہے ان ۵۲۲ نشستوں میں سے کانگریسی مسلمان صرف ۲۳ نشستیں جیت سکے ان میں ۱۹ نشستیں صرف صوبہ سرحد کی ہیں۔ جہاں مسلمانوں سے کانگریس کے نام پر نہیں۔ بلکہ خدائی خدمتگار غریب کے نام پر ووٹ مانگے گئے۔ سی پی، اڑیسہ، بمبئی، مدراس، پنجاب، سندھ، آسام اور خود اس صوبہ میں، جہاں مولوی ابوالکلام آزاد ۳۰ برس سے قیام فرما ہیں ایک کانگریسی مسلمان بھی اسمبلی کا ممبر ہونا تو کجا انتخاب میں اپنی ضمانت تک نہ بچا سکا۔ ان اعداد و شمار کی روشنی میں یہ دعویٰ کہ کانگریس ایک قومی جماعت ہے۔ کیونکہ ایک مسلمان اس کا نمائشی صدر ہے اور نہرو، پٹیل کے مرتب کئے ہوئے خطوط و بیانات کے مسودوں پر بلا چون و چرا اپنے دستخط ثبت کر دیتا ہے۔ بالکل لغو ہے۔ بہر حال مولوی ابوالکلام آزاد نے ایک مرتبہ اور یہ حقیقت واضح کر دی کہ غداری تیرا دوسرا نام ابوالکلام آزاد ہے " ثنہ ذاتے بعشقے کہ تار ادفرد + در حرم زاہد و در بت خانہ مرد [۱]

اب ہم آخر میں " نوائے وقت " کا ایک اور اداریہ نقل کرتے ہیں جو مولانا آزاد کی رحلت کے بعد ۱۳ مارچ ۱۹۵۸ء کو لکھا گیا۔

" اس میں شک نہیں کہ ابوالکلام نے اپنی زندگی کے پہلے دس بارہ سال میں قابل قدر علمی و قومی خدمات انجام دیں، اور اگر تحریک خلافت و ترک موالات کے زمانہ میں

---

[۱] تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۵۰۴ تا ۵۰۸

ان کا انتقال ہو جاتا تو اُن کی موت پر جتنا بھی ماتم کیا جاتا کم ہوتا۔ لیکن اس مختصر دور کے بعد ان کی زندگی میں جو انقلاب ہوا اور پینتیس ۳۵ سال تک وہ جس راستہ پر گامزن رہے وہ خود رہنماؤں کے گمراہ ہو جانے کی ایک المناک مثال ہے۔ ابوالکلام کے اس طرزِ عمل کو محض سیاسی اختلافات قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ملّی نصب العین کے حصول کی خاطر موت و حیات کی جنگ میں اپنی ملت کا ساتھ چھوڑ کر دشمن کا آلۂ کار بننا اگر سیاسی اختلاف ہے تو پھر غداری کی کیا تعریف ہوگی؟ اور اگر سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان کی طرح قائدِ اعظم بھی اپنی جدوجہد میں ناکام ہو جاتے تو کیا اس کے نتائج پلاسی اور سرنگاپٹم میں شکست کے نتائج سے زیادہ تباہ کن نہ ہوتے؟ ہندوؤں نے اچھوتوں سے جو سلوک کیا، ہندوستان میں بدھ مت کا جو حشر ہوا۔ اور نہرو کے "جمہوری اور سیکولر" بھارت میں مسلمانوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں کیا سب اس حقیقت کا ثبوت نہیں کہ ہندو سامراج، برطانوی سامراج سے بھی زیادہ تباہ کار ہے۔ اب اگر ہندو سامراج کے آلۂ کار ابوالکلام قابلِ تعریف ہو سکتے ہیں، تو پھر میر جعفر اور میر صادق کو کیوں ملعون قرار دیا جاتا ہے، اور ان کے طرزِ عمل کو بھی سیاسی اختلافات کیوں نہیں کہا جاتا؟

ابوالکلام اور ان کے دونوں پیش روؤں میں جو فرق ہے وہ صرف زمانہ کا فرق ہے۔ دو سو سال کے زمانی بُعد نے بنگال اور دکن کے غداروں کو تو اس طرح بے نقاب کر دیا کہ وہ ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن نظر آنے لگے، لیکن زمانی قرب ذاتی تعلقات اور پاس و لحاظ کی بدولت مسلمانوں کی جنگِ آزادی کے غدّار طرح طرح کے رنگین نقابوں میں چھپے ہوئے ہیں، مگر وہ دن دُور نہیں جب حقیقت شناس مورّخ ان نقابوں کو پارہ پارہ کر دیں گے، اور "جعفران آن زماں" کے ساتھ "جعفران این زماں" کی روحیں بھی قلزمِ خونیں میں مبتلائے عذاب نظر آنے لگیں گی۔ سجّاد انصاری نے

جس ابوالکلام کی تعریف کی ہے وہ قرآنی دعوت دینے والے مولانا ابوالکلام تھے۔ نہ کہ اس سے منحرف ہو جانے والے شری ابوالکلام۔ اس کے علاوہ یہ تعریف جس کو محض لفاظی کہنا چاہیئے اسقدر مبالغہ آمیز ہے کہ ابوالکلام اپنی زندگی کے روشن ترین دور میں بھی اس کے مستحق نہ تھے۔ اگر ابوالکلام کو پرکھنے کا یہی معیار ہے تو پھر انہی سجّاد حیدر کا یہ قول کیوں نہ ملحوظ رکھا جائے کہ فرشتہ اور عالم دونوں گمراہ ہو کر شیطان بن جاتے ہیں۔ اسطرح "حضرت معلم الملکوت" اور "حضرت امام الہند" کی زندگی میں حیرت انگیز مماثلت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جائے گی۔ کہ ہر عالِم کی موت عالَم کی موت نہیں ہوتی، اور ایک مخصوص دور کی نیکیاں بقیہ تمام زندگی کے گناہوں کا جواز نہیں بن سکتیں۔ موت ہر شخص کی افسوسناک ہوتی ہے، اور اس پر اظہار تاسّف بھی کیا جاتا ہے لیکن ملّت کے مجرموں کے سوگ میں اتنا غلو ہرگز نہ ہونا چاہیئے کہ پاکستان کے بدنام ترین دشمن اس یقین کے ساتھ مریں کہ ان کے غم میں پاکستانی صحافت سیاہ پوش ہو جائے گی۔" [۱۹]

بڑی زیادتی ہوگی اگر اختتام پر مولانا ظفر علیخاں کا ہدیہ آزاد کے حضور پیش نہ کیا جائے بد ہے

بوالکلام آزاد سے یہ پوچھتے ہیں دل جلے
آج کل تم پیشوائے اُمّتِ مرحوم ہو
کیا خطا کوئی بھی سرزد تم سے ہو سکتی نہیں
تم بھی کیا پاپائے روما کی طرح معصوم ہو
نہرو و گاندھی کے دل کا حال تم جانو اگر
پھر ذرا تم کو بھی قدرِ عافیت معلوم ہو
کٹ کے اپنوں سے ملے ہو جا کے تم اغیار سے
پھر یہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں تم مظلوم ہو
ہم مسلماں ہیں جو ہیں اوج سعادت کے ہما
آئیں اسکے سائے میں ہم کسطرح جو بوم ہو
تم یہ کہتے ہو کہ مسلم لیگ ہے رجعت پسند
تم کہاں کے ہٹلرِ وقت اے میرے مخدوم ہو

[۱۹] تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء ص ۹۷۶ تا ۹۷۹

کیا تماشا ہے کہ نہرو ہو ہمارا ترجماں | اور غلامی کفر کی اسلام کا مقسوم ہو
کیا تماشا ہے کہ ہم گاندھی کے آگے جھکائیں سر | کیا قیامت ہے جو حاکم ہے وہی محکوم ہو
اے خدا راہِ ہدایت اس مسلماں کو دکھا | غیرتِ اسلام کی دولت سے جو محروم ہو
وقت آپہنچا کہ ہو اسلام کا جھنڈا بلند | اور یہ نظمِ زندگی بارِ دگر منظوم ہو
وقت آپہنچا کہ " یا گاندھی " پکارے کانگریس | نعرہ مسلم لیگ کا " یا حیّ یا قیوم " ہو

وقت آپہنچا کہ ملت کے مٹیں سب اختلاف
اور ہمارے نام کی ہندوستاں میں دھوم ہو ۲۰؎

۲۰؎ ظفر علی خاں اور ان کا عہد از عنایت اللہ نسیم سوہدروی مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء ص ۲۶۰
چمنستان از مولانا ظفر علی خاں مطبوعہ لاہور ۱۹۴۴ء ص ۱۵۱ ، ۱۵۲ -

مولوی مودودی

مودودی کی پیدائش ۳ رجب ۱۳۲۱ھ/ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو محلہ چیلی پورہ اورنگ آباد (حیدرآباد دکن) میں ہوئی۔[۱] حصول تعلیم کے بعد کئی ایک پرچوں میں کام کرتے رہے۔ ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء کو جماعت اسلامی کی بنیاد رکھی اور پھر تادم واپسیں سواد اعظم سے ہٹ کر اپنے مخصوص مذہبی و سیاسی نظریات کا پرچار کیا۔[۲]

حضرت قائداعظم اور دیگر سیاسی لیڈروں کے علاوہ بڑے بڑے علماء و مشائخ مسلم لیگ کے ساتھ تھے مثلاً امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف، پیر غلام مجدد سرہندی، پیر سید دیوان آل رسول اجمیری، مولانا عبدالحامد بدایونی، خواجہ قمرالدین سیالوی، مولانا عبدالغفور ہزاروی، مولانا ابوالحسنات، مولانا قطب الدین عبدالوالی فرنگی محلی، مولانا جمال الدین عبدالوہاب فرنگی محلی، مولانا حسرت موہانی، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالستار خاں نیازی، وغیرہم۔ جن کا تذکرہ ہم اپنی کتاب "اکابر تحریک پاکستان" کی دو جلدوں میں تفصیل کے ساتھ پیش کر چکے ہیں۔ **مگر افسوس** کہ مولانا مودودی کو ان میں سے ایک بھی صحیح مسلمان نظر نہ آیا۔ ملاحظہ ہو ان کا ارشاد گرامی۔

"افسوس کہ لیگ کے قائداعظم سے لیکر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرز فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطہ نظر سے

۱۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی از ابوالآفاق مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۴۹

۲۔ ہمارے سیاستدان از محمد موسیٰ بھٹو مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۷۹ء ص ۲۰ تحریک جماعت اسلامی از ڈاکٹر اسرار احمد مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۴، لیڈران کرام از ریاض بٹالوی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء ص ۵۶

دیکھتا ہو۔ یہ لوگ مسلمان کے معنی ومفہوم اور اس کی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے۔ ۳؎

دراصل مودودی کی خواہش تھی کہ مسلم لیگ کی زمام اقتدار اُن کے ہاتھوں میں ہو۔ مگر جب یہ آرزو پوری نہ ہوسکی تو طرح طرح سے مسلم لیگ، قائداعظم اور تحریکِ پاکستان کو بدنام کرنے لگے اور تحریک پاکستان سے الگ تھلگ رہ کر کانگریس کی تقویت کا باعث بنے۔ جیساکہ زیڈ اے سلہری فرماتے ہیں:۔

"مولانا نے تحریک پاکستان سے اپنی کنارہ کشی کا کبھی کوئی سبب بیان نہیں فرمایا (؟) لیکن اس کی وجہ بہرحال تھی اور بادنیٰ تأمل جو بات معلوم ہوجاتی ہے وہ یہ ہے کہ مولانا نے مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کا پرچار اس امید میں کیا تھا کہ وہ اپنی قیادت انہی کو سونپ دیں گے لیکن جب یہ واضح ہوگیا کہ مسلمانوں نے جس شخص کی صدا پر کان دھرا۔ وہ بجائے ان کے قائداعظم تھے تو انہوں نے فوراً اس پورے نقشہ کار ہی کو تج دیا..... (گویا) مودودی کی غداری کا اصل سبب خالص ذاتی تھا ـــــ!" ۴؎

مودودی کا وزن کانگریس کے پلڑے میں رہا اور اس فرقہ وارانہ ہندو جماعت سے اشتراک کو ضروری خیال کرتے رہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

"کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ ہم کانگریس سے تصادم چاہتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے تو ہمارا مقصد وہی ہے جو کانگریس کا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس مشترک مقصد کیلئے بالآخر کانگریس ہی کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ اول ص۶۲) ۵؎

۳؎ تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ دوم از مولانا مودودی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء صفحہ ۲۹

۴؎ اسلام اور پاکستان از ڈاکٹر اسرار احمد مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۱۲

۵؎ تاریخ نظریہ پاکستان از پیام شاہجہانپوری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء ص ۳۵۲

مودودی صاحب نظریہ پاکستان سے متفق نہ ہو سکے اور اس آزاد اسلامی ریاست کے متعلق اپنا نقطہ نظر ان الفاظ میں پیش کیا کہ :۔

"جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلط سے آزاد ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت الٰہی قائم ہو گی۔ ان کا گمان غلط ہے دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہو گا وہ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہو گی۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ دوم ص ۱۳۲) ؎۶

میں اپنی طرف سے اس ارشاد پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ ناظرین خود ہی غور فرمائیں اور صالحین کے جماعت کے سربراہ کی مسلم دشمنی اور ہندو نوازی پر خون کے آنسو روئیں۔

مودودی کے اتباع میں ان کے چیلوں نے بھی پاکستان کی خوب تضحیک کی۔ نصر اللہ خاں عزیز نے اپنے پرچہ "کوثر" لاہور شمارہ ۱۷ ؍ جون ۱۹۴۷ء میں ارشاد فرمایا۔ "پاکستان نہیں فاقستان"۔ ۱۳ ؍ جون ۱۹۴۷ء کے شمارہ میں فرمایا۔ "لنگڑا پاکستان"۔ ؎۷

اہل نظر حضرات جن میں نواب بہادر یار جنگ مرحوم و مغفور سر فہرست ہیں نے جماعت اسلامی کے قیام کے فوراً بعد ہی بھانپ لیا تھا کہ یہ جماعت ایک مستقل فرقہ بن جائے گی اور اس کے ارکان اس میں شریک نہ ہونے والوں کو اسلام سے خارج تصور کریں گے۔ ؎۸ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس جماعت نے اپنے سوا سب مسلمان

؎۶ تاریخ نظریہ پاکستان ص ۳۵۲۔ سیاسی جماعتیں طلبا رکی عدالت میں از اشرف رضا مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء ص ۴۴

؎۷ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی از ممتاز علی عاصی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء ص ۵۷

؎۸ مکاتیب نواب بہادر یار جنگ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء ص ۲۳۸، ۲۵۶۔

کو نامکمل اور ناقص مسلمان گردانا۔ مسلم لیگ کے تصور پاکستان کی علی الاعلان مخالفت کی اور پاکستان کو "ناپاکستان" کہکر یاد کیا۔[۹]

اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ جس پاکستان کی جی بھر کر مخالفت کی وہی پاکستان مودودی اور ان کے حواریوں کی پناہ گاہ بنا۔ جس درخت کی جڑیں کاٹیں بالآخر اسی کا پھل کھانا پڑا۔ لیکن باوجود اس کے ان کے نظریات میں تبدیلی نہ آسکی۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو اسلامیان ہند کے دل بلیوں اچھلنے لگے کہ انہیں جلد ہی سورج سے زیادہ روشن منزل پاکستان کی شکل میں مل جائے گی۔ جہاں وہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ مگر مودودی کی جماعت میں صف ماتم بچھ گئی۔ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔

"جب میں مسلم لیگ ریزولیشن کو دیکھتا ہوں تو میری روح بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۳۷)[۱۰]

مسلم لیگی رہنماؤں کے بارے میں مودودی صاحب کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

"یہ مسلمانوں کی قوم میں پیدا ہوتے اس لئے مسلمانوں کی حکومت ان کا نصب العین بن گیا ہے۔ یہی ہندوؤں میں پیدا ہوتے۔ تو مونجے اور ساورکر بنتے۔ جرمنی میں پیدا ہوتے تو ہٹلر اور گوئرنگ کے روپ میں نمودار ہوتے۔ کسی اطالوی کی آغوش محبت میں جنم لیتے تو مسولینی کی صورت اختیار کرتے۔" (ترجمان القرآن ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ ص ۱۹)[۱۱]

---

۹ رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء ص ۲۶۱

۱۰ علامہ اقبال۔ قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان از چوہدری حبیب احمد مطبوعہ فیصل آباد ۱۹۸۲ء ص ۲۰۹

۱۱ ایضاً ص ۶۰، ۶۱

مودودی نے جب محسوس کیا کہ وہ تنہا تحریک پاکستان کی مخالفت کرنے اور مسلم لیگ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تو حضرت والا نے ہندوؤں سے ساز باز شروع کر دی۔ حمید نظامی مرحوم یوں رقمطراز ہیں

"جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کی تنہا کوششیں مسلم لیگ کی صفوں میں کوئی انتشار پیدا نہیں کر سکتیں تو انہوں نے ہندوؤں سے بھی ساز باز شروع کی۔ چنانچہ پٹنہ میں اپنے پہلے پبلک جلسہ میں مسٹر گاندھی کو دعوت دی اور انہوں نے اس میں شرکت بھی کی (لیکن ہمارا خیال ہے کہ) بنیئے نے اس سودے کو کچھ منفعت بخش نہ سمجھا اور ہاتھ کھینچ لیا" (روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۳۰ر اپریل ۱۹۴۷ء ۱۲)

یہ واقعہ تشکیل پاکستان سے تین چار ماہ پہلے کا ہے۔ پاکستان پہنچ کر مودودی صاحب اور ان کی جماعت نے تحریک پاکستان کے خلاف جو کچھ کیا تھا۔ اور وہ جسطرح مسلسل دس برس تک مسلم لیگ اور قائداعظم کے خلاف نفرت کے جذبات ابھارتے چلے آئے تھے۔ ذرا سوچیئے اگر معاملہ یوں ہوتا کہ یہی کچھ کسی پارٹی نے جماعت اسلامی کے ساتھ کیا ہوتا اور مودودی صاحب پاکستان کے گورنر جنرل ہوتے تو کیا وہ ان لوگوں کو پاکستان میں گھسنے کی اجازت دیتے؟ اور وہ اگر زبردستی اندر آ جاتے تو یہ ان کے خلاف کیا کچھ نہ کرتے۔ لیکن صاحبِ اقتدار قائداعظم جیسا وسیع الظرف سربراہ تھا۔ انہوں نے نہایت کشادہ نگہی اور خندہ جبینی سے بمصداق لاتثریب علیکم الیوم کہا کہ جو کچھ پہلے ہو چکا اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اب آئندہ کے لیئے امن اور سکون سے زندگی بسر کیجیئے۔ کوئی اور ہوتا تو قائداعظم کے اس حسنِ سلوک پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے ان کا رہین منت

ــــــــــــــــــ

۱۲ علامہ اقبال، قائداعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان ص ۲۰۴

رہتا۔ لیکن ان حضرات کے دل میں تو حسد کی آگ بھڑک رہی تھی کہ قائداعظم کی قیادت کامیاب کیوں ہو گئی اور ہماری اس مخالفت کے علی الرغم پاکستان وجود میں کیوں آگیا؟ چنانچہ انہوں نے ترجمان القرآن کے پہلے ہی شمارہ میں (جو جون ۱۹۴۸ء کو شائع ہوا تھا) تحریک پاکستان پر بھرپور تنقید کی اور اس کے بعد دل کے پھپھولے یہ کہکر پھوڑے کہ "یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ کالا کر دینے والی ہے جنہوں نے پچھلی ربع صدی میں سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے۔" ناظرین اندازہ فرمائیں کہ کیا یہ قائداعظم کی کھلے بندوں توہین نہیں؟ [۱۳]

جون ۱۹۴۸ء کے ترجمان القرآن میں قائداعظم کی وفات سے صرف دو اڑھائی ماہ پہلے مودودی نے یہ خراج عقیدت قائداعظم کو پیش کیا تھا جس کا صرف ایک پیرا یہاں نوٹ کیا جاتا ہے۔ جو مسلم لیگ کے قائدین کہلانے والوں کی غیرت کیلئے تازیانہ ہے اور حضرت قائداعظم کو محسن ملت تسلیم کرنے والوں اور انصاف پسندوں کیلئے لائق توجہ!

" اس اداکار کا پارٹ اس ڈرامے میں سب سے زیادہ ناکام ہے۔"

اس توہین محسن اور اس لچر جملے پر تبصرہ آرائی کرتے ہوئے "مودودیت عوامی عدالت میں" کے صفحہ ۷۰ پر کوثر نیازی لکھتے ہیں :۔

" ہمیں اسلامی ضابطہ اخلاق کے مطابق لکھنے کا سلیقہ نہیں، ورنہ جواباً ہم بھی عرض کرتے کہ مولانا اگر پاکستان کی سیاست واقعی کوئی کھیل تھی تو ذرا اس میں آپ بھی تو اپنے مقام کا تعین فرمائیں۔ کہ آپ اس کے " ولن " تھے۔ " ایکسٹرا " مگر ظاہر ہے کہ اس طرح کی شرعی گالیاں دینے کا حق ہم ایسے گناہ گاروں کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔

[۱۳] ایضاً ص ۲۰۴، ۲۰۵۔

اس کے جملہ حقوق تو صرف "صالحین" نے محفوظ کرا رکھے ہیں"۔ [۱۴]

مکالمہ۔ ۱۹۴۸ء کا ذکر چھڑا تو اسی سال کا ایک اور واقعہ بھی سن لیجیے کہ جناب مودودی اور میاں طفیل محمد جھنگ کے دورے پر تشریف لیگئے تو مشہور صحافی عرفان چغتائی مرحوم (جو ہوائی جہاز کے حادثہ قاہرہ میں شہید ہوئے) بعض دوستوں کے ہمراہ مودودی صاحب کے پاس آئے اور ان کی توجہ ایک نمک پاش، جگر سوز پوسٹر کی طرف مبذول کرائی۔ اس طرح کی عبارت تھی جو دارالسلام سے بھاگ کر آنے والے مودودی کی جماعت نے شائع کیا تھا۔ کہ "مسلمانو! تم نے باطل اصولوں کی خاطر گھر بار چھوڑا۔ عزیز و اقارب کو ذبح کرایا"۔ اور مودودی صاحب سے پوچھا کہ مولانا! کیا وہ اصول باطل تھے جن کے لئے مشرقی پنجاب اور ریاستوں کے مسلمانوں کو ہجرت کر کے یہاں آنا پڑا۔ تو مولانا نے جواب دیا:۔

"واقعی میرے نزدیک کسی کو مہاجر کہنا از روئے شریعت ناجائز ہے۔ کیونکہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا یہ سفر ہجرت نہیں ہے"۔

عرفان صاحب کا دوسرا سوال تھا۔ کہ

کیا پھر آپ کے نزدیک مہاجرین کی جانی و مالی قربانیوں کی کوئی قیمت نہیں"؟

اس پر مولانا مودودی نے فرمایا۔

"نہیں وہ بھگوڑے اور بزدل ہیں۔ انہوں نے ایک غلط قدم اٹھایا تھا"۔

اس پر عرفان چغتائی نے بھری بزم میں کہا کہ مولانا! خطا معاف، کیا آپ بھی اسی زمرہ میں داخل نہیں۔ مولانا سے اسکا کچھ جواب نہ بن پڑا اور منہ پر مہر سکوت لگ گئی۔ [۱۵]

---

[۱۴] ایضاً ص ۲۲۶ [۱۵] ایضاً ص ۲۲۵، ۲۲۶

چوہدری سردار محمد خاں عزیز نے "مودودی کی پاکستان دشمنی بلکہ بہ الفاظ دیگر اسلام دشمنی کی کیسی سچی تصویر کھینچی ہے وہ لکھتے ہیں کہ :-

"کئی تنگ دل اور عاقبت نا اندیش لوگوں نے اپنی ذاتی منفعتوں کے پیش نظر تحریک پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور مسلمانوں کے ایک الگ وطنِ عزیز کی سکیم کو غیر اسلامی قرار دیا چنانچہ ایسے مسلمانوں نے قیام پاکستان کا راستہ روکنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس گروہ میں جماعت اسلامی کے سربراہ اور ان کے سرکردہ کارکنان صفِ اول میں تھے۔ چنانچہ پاکستان بن جانے کے بعد اور پاکستان میں آباد ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ کئی سال تک نہایت سنجیدگی سے پاکستان کی مخالفت میں مصروف رہے اور پھر ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے دوران اچانک نظریہ پاکستان کے سب سے بڑے محافظ بن کر عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے لگے۔ لیکن عوام کا حافظہ اتنا کمزور تو نہیں تھا —— پاکستان اور نظریہ پاکستان کی مخالفت میں جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ وہ سب محفوظ تھا۔ ان کی لکھی ہوئی کتابیں اور مختلف رسالوں کی فائلیں بطور وجہ ثبوت موجود تھیں۔" ۱۶ے

کس کس سے چھپاؤ گے تحریک ریاکاری
محفوظ ہیں تحریریں مرقوم ہیں تقریریں

تحریک پاکستان، مسلم لیگ اور قائداعظم دشمنی کا بھوت مودودی پر اسقدر سوار تھا کہ وہ مرتے دم تک اسے نہ اتار سکے۔ ان کے ساتھیوں نے بھی اپنی بساط کے مطابق مولانا کے اس مقدس مشن کی تبلیغ جاری رکھی۔ ۲۶ر فروری ۱۹۷۸ء

ے۱۶ سرگزشت پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء ص ۱۴۲

کو ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن سرگودھا سے خطاب کرتے ہوئے میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور احمد نے اپنے مشترکہ جوابات میں کہا۔

" قائد اعظم کی نماز جنازہ میں شرکت ضروری نہیں تھی اور نہ ہی تمام مسلمانوں کیلئے ایسا کرنا ممکن تھا۔ انہوں نے تسلیم کیا۔ کہ مولانا مودودی اور خود انہوں نے قائد اعظم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی۔ ان سے جب یہ پوچھا گیا کہ کیا مولانا مودودی نے بھی قائد اعظم کو اپنا قائد تسلیم کیا تھا تو یہ جواب دیا گیا کہ مولانا مودودی خود قائد ہیں۔ اس لئے وہ قائد اعظم کو اپنا قائد کیوں مانتے۔" روزنامہ مساوات لاہور ۲ر فروری ۱۹۷۰ء[17]

یاد رہے کہ مولانا مودودی نے علامہ اقبال کی نماز جنازہ میں بھی شرکت نہیں کی تھی۔ حالانکہ دارالسلام (پٹھان کوٹ) لاہور سے کچھ زیادہ دُور نہ تھا۔ آج مودودی حضرات یہ پروپیگنڈا کرتے نہیں تھکتے کہ مودودی علامہ اقبال کی دعوت پر دارالسلام آئے تھے جو بالکل سفید جھوٹ ہے جیسا کہ سیّد نذیر نیازی لکھتے ہیں :-

" مودودی صاحب، چوہدری نیاز علی کی دعوت پر پٹھان کوٹ (دارالسلام) آئے۔ ایسا نہیں تھا کہ حضرت علامہ کی دعوت پر آئے ہوں"[18]

قیام پاکستان کے بعد بھی مولانا مودودی کی پاکستان دشمنی بدستور جاری و ساری رہی۔ جس کا مختصر ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ مگر اب آپ دل تھام کر مولانا مودودی کا ارشاد سنیئے۔ روزنامہ " پاکستان ٹائمز" کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے سوال و جواب میں کہا۔

۱۷ے علامہ اقبال، قائد اعظم، پرویز، مودودی اور تحریک پاکستان ص ۷۳۶

۱۸ے ایضاً ص ۱۶۱

"جو لوگ تحریک پاکستان کی صفِ اوّل میں شامل تھے۔ وہ ہمیں سچے مسلمان نظر نہیں آتے تھے۔ ہمارے دل میں اس تحریک کے اسلامی ہونے کے متعلق شکوک کی یہ وجہ تھی۔ ہم (صرف) قائداعظم کے خلاف نہیں تھے ہم اس پوری قیادت کے خلاف تھے۔ جو تحریک پاکستان چلا رہی تھی۔ روزنامہ پاکستان ٹائمز ۲۵۰۹۰۱۹۷۷ء

مودودی کے اس ارشاد کی لاہور ہائیکورٹ اور ڈسٹرکٹ و سیشن کورٹ کے بک صد وکلا نے مشترکہ بیان میں سخت مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ "تحریک پاکستان میں شاعر مشرق علامہ اقبال۔ قائدِ ملت لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، مولوی اے۔ کے فضل الحق، حسین شہید سہروردی، پیر جماعت علی شاہ، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب سیال شریف، مولوی تمیزالدین، میاں عبدالباری اور دوسرے دیندار مسلمان رہنما پیش پیش تھے۔ جن کا مذہبی اور سیاسی رتبہ مسلّم ہے۔ ان وکلاء نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر (جنرل ضیاء الحق) سے مطالبہ کیا کہ وہ اس انٹرویو کا سختی سے نوٹس لیں جس میں انہوں نے قائداعظم اور تحریک پاکستان کے دوسرے قائدین کے خلاف زہر افشانی کی ہے۔ انہوں نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ وطن عزیز کو معرض وجود میں آئے تیس برس گزر چکے ہیں لیکن مولانا مودودی کے خیالات میں ذرہ بھر بھی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ آج بھی ملک اور تحریک پاکستان کے قائدین کے متعلق وہی نظریات رکھتے ہیں جن کا پرچار وہ ۱۹۴۷ء سے قبل کرتے تھے۔ روزنامہ "مساوات" لاہور ۲ر اکتوبر ۱۹۷۷ء [۱۹]

مودودی صاحب کی ایسی ہی خرافات کا نوٹس لیتے ہوئے روزنامہ

---

[۱۹] ایضاً ص ۱۰۲

"نوائے وقت" نے ۱۵ر جولائی ۱۹۵۵ء کے اداریہ میں لکھا تھا اور خوب لکھا تھا

"قائداعظم اور تحریک پاکستان کے خلاف مولانا مودودی کا بغض آج بھی اسی طرح قائم ہے۔ ہم الزام لگاتے ہیں کہ مولانا کی تحریک ہرگز ایک اسلامی تحریک نہیں۔ وہ حسن بن صباح کی طرح سیاسی ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں اور ان کا مقصد دین کی سربلندی کے بجائے سیاسی اقتدار کا حصول ہے۔ ہم مولانا مودودی کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ مولانا احمد علی اور مولانا میکش کی طرح ہمارے خلاف بھی ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ چلائیں اور عدالت میں ان الزامات کی صفائی پیش کریں۔" [۲۰]

"نوائے وقت" کا یہ اداریہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ دل چاہتا ہے کہ ۳۰ر ستمبر ۱۹۴۸ء کا اداریہ بھی پیش کر دیا جائے جس سے مولانا مودودی کی شخصیت ذرا مزید نکھر کر سامنے آجائے گی۔

"جب تک انگریزوں کی حکومت تھی تو مودودی صاحب کے ہمدرد و معاون سرکاری افسر اور اہل کار انگریزی حکومت کی وفادارانہ خدمت کرتے رہے اور مودودی صاحب نے انہیں نہ روکا۔ نمائشی پروپیگنڈا دوسری چیز ہے لیکن کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا، کہ گورنمنٹ آف انڈیا کے بعض اعلیٰ افسر مودودی صاحب کے معاون و سرپرست، اور مودودی صاحب کو ان سے مالی اعانت بھی ملتی رہی۔ حیرت ہے کہ جب تک انگریز کا راج تھا۔ اس وقت تک مودودی صاحب نے نہ تو یہ فتویٰ دیا کہ لڑائی کیلئے فوج میں

۲۰۔ ایضاً ص ۹۵

بھرتی حرام ہے۔ نہ یہ اعلان کیا کہ میرے معاونوں مریدوں کو انگریزی حکومت سے بغاوت کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ لیکن پاکستان آ کر انہوں نے اپنا معیار کچھ اس ڈھنگ کا بنایا کہ پاکستان کے انتہائی مشکل دور میں قدم قدم پر ان کا حکومت سے تصادم ناگزیر ہو گیا۔ حلف وفاداری کے مسئلے پر حکومت پنجاب سے ان کی چپقلش اسی بنا پر ہوئی اور فوجی بھرتی کا قضیہ بھی اسی وجہ سے پیش آیا۔" ۲۱ے

ناظرین ان دونوں اداریوں کو پڑھ کر مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی پاکستان دشمنی، اسلام دشمنی کا صحیح صحیح اندازہ کر چکے ہوں گے۔ لیجیئے اب ایک اور ارشاد سن لیجیے۔ فرماتے ہیں کہ

" جو لوگ پاکستان کے مخالف تھے ...... وہ پاکستان زندہ باد کے دل فریب نعروں کے متعلق جب یہ کہتے تھے کہ یہ فریب ہے، سیاسی چال ہے، تو کیا وہ غلط کہتے تھے ؟ (یعنی سچ کہتے تھے) ترجمان القرآن جمادی الآخر ۱۹۷۲ء)

امریکہ کی پالتو اس جماعت نے قیام پاکستان سے قبل اور بعد میں پاکستان دشمنی کا جو کردار ادا کیا ہے۔ وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے ایک ہندوستانی اخبار " قومی آواز" لکھنو مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء میں لکھتا ہے کہ پنجاب میں فسادہائی دشمن ہنگامہ (تحریک ختم نبوت) کے متعلق تحقیقات کرنے والی عدالت میں جرح کے جواب میں خواجہ نذیر احمد وکیل نے کہا کہ میرے پاس یہ کہنے کیلئے کافی وجوہ ہیں کہ جماعت اسلامی کے لیڈر مولانا مودودی کو امریکہ سے مالی امداد ملتی تھی۔ جب عدالت نے گواہ سے پوچھا کہ وہ امریکی ذرائع کون سے ہیں جو مولانا مودودی کو امداد دیتے ہیں خواجہ نذیر احمد

۲۱ے ایضاً ص ۲۱۵، ۲۱۶

نے کہا۔ کہ اگر میں اس کی تفصیل میں جاؤں تو پیچیدگی پیدا ہو جائیگی۔ ۲۲

مودودی امریکی امداد پر پھلے پھولے، امریکہ کے روپیہ کے زور پر ہی اسلام دشمن لٹریچر چھپا اور امریکہ کی شہ پر ہی انہوں نے پاکستان میں اسلام کا حلیہ بگاڑنے کی ہر ممکن سعیٔ نامشکور کی اور بالآخر امریکہ میں ہی ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو جاں بحق ہو گئے۔ ۲۳

پہنچی وہیں پہ خاک کہ جہاں کا خمیر تھا

پاسبانِ "کنز الایمان"

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے شہرۂ آفاق و نفیس ترین اردو ترجمۂ قرآن "کنز الایمان" کی نفاست و برتری اور دیگر مروجہ تراجم کے تقابلی جائزہ پر مشتمل یہ خوبصورت کتاب مولانا ابو داؤد محمد صادق صاحب کا عظیم علمی و تحقیقی تحفہ ہے جس میں وہ مکتوب مفصل بھی شائع کیا گیا ہے جو حضرت خواجہ غلام حمید الدین صاحب سیالوی نے سعودی عرب میں "کنز الایمان" پر پابندی کے موقع پر شاہ فہد کے نام ارسال کیا تھا۔ جس میں "کنز الایمان" پر نجدی سعودی علماء کے اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ صفحات ۶۶ ہدیہ ۷/۵۰ سات روپے ملنے کا پتہ:۔

مکتبہ رضائے مصطفےٰ چوک دارالسلام گوجرانوالہ

۲۲۔ دیوبندی مذہب از مولانا غلام علی مہر مطبوعہ چشتیاں ۱۹۵۶ء ص ۲۹۱

۲۳۔ روزنامہ "جسارت" کراچی مولانا مودودی نمبر ص۱۱

حبیب الرحمٰن لدھیانوی

حبیب الرحمٰن بن مولوی محمد زکریا بن مولوی محمد بن مولوی عبدالقادر کی ولادت ۳ جولائی ۱۸۹۲ء کو لدھیانہ کے ایک ارائیں گھرانہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے حضرت مولانا نور احمد امرتسری (المتوفی ۱۳۴۸ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ ۱۹۱۴ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے لیا اور مولانا انور شاہ کاشمیری و دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا۔[1]

یوں تو دور طالب علمی سے ہی آپ کی طبیعت سیاست کی طرف مائل تھی۔ لیکن ۱۹۱۹ء کے حادثہ جلیانوالہ باغ کے بعد آپ عملی سیاست میں آ گئے۔ اور تحریک خلافت، کانگرس اور مجلس احرار کے پلیٹ فارم سے اپنی سیاست کو پروان چڑھایا۔ قید و بند کی صعوبتوں سے بھی آپ نبرد آزما رہے۔

حبیب الرحمٰن تا زیست قولاً فعلاً عملاً کانگرسی رہے وہ کانگرس سے دور رہ کر مجلس احرار کے قیام کو بھی مناسب نہیں سمجھتے تھے ان کے تعلقات غیر مسلموں سے اتنے وسیع تھے کہ شاید ہی اس دور میں کسی نیشنلسٹ مسلمان کے ہوں۔ مولانا کے صاحبزادے عزیز الرحمٰن لکھتے ہیں کہ

" انقلاب پسندان کے ارادتمند، دہشت پسندان کے گرویدہ، کمیونسٹ اور سوشلسٹ ان کے مداح، سکھ ان کے نام لیوا۔ ان کی نجی صحبتوں میں ایسے ایسے لوگ دیکھے جن کی شان نزول معمولاً سمجھ میں نہیں آتی تھی"۔[2]

مجلس احرار کا سراپا لکھنے والے چوہدری افضل حق کو جسم، حبیب الرحمٰن کو

---

[1] کاروان احرار جلد اول از جانباز مرزا مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۲۸ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از پروفیسر محمد ایوب قادری کراچی ۱۹۷۶ء ص ۵۹۱

[2] جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین حصہ ز عزیز الرحمٰن لدھیانوی مطبوعہ دہلی ۱۹۷۵ء ص ۱۳

دماغ، مظہر علی اظہر کو روح اور عطاء اللہ شاہ بخاری کو زبان لکھتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مولانا کو مجلس احرار میں اہم مقام حاصل تھا اور وہ صفِ اول کے احرار لیڈروں میں شامل ہوتے تھے مگر مقام افسوس ہے کہ مجلس احرار کے دیگر رہنماؤں کی طرح مولانا حبیب الرحمٰن نے بھی اپنی تمام تر توانائیاں تحریک پاکستان کی مخالفت میں صرف کر دیں اور تمام اخلاقی، قانونی اور شرعی حدود کو توڑ کر مخالفین پاکستان کی صفِ اول میں شمار ہونے لگے۔

میرٹھ میں آپ تقریر کرتے ہوئے اسقدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے ہوئے اور غصہ سے ہونٹ چباتے ہوئے ارشاد فرمایا۔کہ "دس ہزار جینا (محمد علی جناح) اور شوکت (ضیغم اسلام مولانا شوکت علی) اور ظفر (مولانا ظفر علی خاں) جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کیے جا سکتے ہیں۔" ۳؎

نیشنل کانفرنس کشمیر کی دعوت پر ایک دفعہ ابوالکلام آزاد اور پنڈت نہرو سری نگر تشریف لے گئے وہاں ان کا جلوس نکالا گیا دوران جلوس بعض ناخوشگوار واقعات پیش آئے۔مسلم لیگ اور قائد اعظم کے حامیوں اور نیشنل کانفرنس کے رکنوں کے درمیان تصادم ہوا۔ایک دوسرے پر خشت باری بھی کی گئی اور کچھ پتھر تو آئے جلوس پر بھی پھینکے گئے۔اس واقعہ کے بعد حبیب الرحمٰن نے سری نگر میں نماز جمعہ کے بعد ایک تقریر کی۔جس میں انہوں نے کہا۔کہ "اگر مسلم لیگ کا موجودہ رویہ اسی طرح جاری رہا تو قلیل عرصے میں اس کو جاپان و جرمنی کی طرح کچل دیا جائے گا۔" مزید ارشاد کیا کہ "مولانا آزاد اور پنڈت نہرو کی بے عزتی کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا اور ضرور بھگتنا پڑے گا۔" ۴؎

۳؎ چمنستان، مولانا ظفر علی خاں لاہور ۱۹۴۴ء ص ۱۶۵ ۴؎ تاریخ نظریہ پاکستان، پیام شاہجہانپوری لاہور ۱۹۷۰ء ص ۳۹۸ بحوالہ روزنامہ "نوائے وقت" ۲۲ جنوری ۱۹۴۷ء

مولانا کے ان ارشادات پر پیام شاہجہانپوری تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "مولانا آزاد تو خیر مسلمان تھے۔ ان کی ہتک کا بدلہ لینے کی بات کسی حد تک سمجھ میں آسکتی ہے مگر حیرت اس پر ہے کہ ایک متعصب اور مسلمانوں کے دشمن لیڈر (پنڈت نہرو) کا بدلہ لینے کی دھمکی ایک مسلمان عالم خود مسلمان کو دے رہا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مجلس احرار، پاکستان کی مخالفت میں کتنی پست سطح پر اتر آئی تھی اور تحریک پاکستان کو ناکام بنانے کے لئے متعصب ہندو رہنماؤں سے ساز باز کر چکی تھی"۔ ۵؎

ہندوؤں سے ساز باز کی تائید نامور ماہر تعلیم مورّخ اور دانشور ڈاکٹر محمد شجاع ناموس کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"کانگرس نے مسلمانوں کو اپنے اندر شامل کرنے کی ہر طرح سے کوشش کی۔ ۱۹۳۶ء سے یہ کام بڑے زوروں سے شروع ہو گیا۔ عوام سے رابطہ کے نام سے کانگرس نے ایک تحریک نکالی اب پورے زور کے ساتھ مسلم عوام سے رابطہ پیدا کر کے مسلم قومیت کو ہندو قومیت میں جذب کر لینے کی تدبیروں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ جمعیت علمائے (ہند) نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔ مجلس احرار اس رابطہ کی ایجنسی بن گئی۔ کانگرس فنڈ ان کی کفالت کیلئے وقف ہو گیا۔ ان کوششوں میں ہر قسم کا مکروہ پروپیگنڈا کیا گیا۔ تہمت و افترا، تلبیس و تدلیس کا ایک نیا لٹریچر پیدا ہو گیا۔ مسلم لیگ اور اس کے ارکان کے متعلق غلط بیانیوں اور تہمتوں میں کوئی کسر نہ رہی۔ ۶؎"

۵؎ تاریخ نظریہ پاکستان ص ۳۹۸

۶؎ - آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۴۶ء ص ۲۰۴

فنڈ:۔ اب کانگرس فنڈ کی تفصیل احرار ہی کے رہنما شورش کاشمیری کی زبانی سن لیجئے۔ وہ ہفت روزہ "چٹان" لاہور جلد ۴ شمارہ ۱۶ (۱۶ ر اپریل ۱۹۵۱ء) میں لکھتے ہیں کہ (۱) جہاں تک کانگرس کے روپے کا تعلق ہے۔ وہ تو خود مولانا حبیب الرحمٰن کے علم میں ہے بلکہ پچاس ہزار روپے کی قسط دلوانے کے حصہ دار ہی آپ تھے۔ رہا یونینسٹ پارٹی کے روپے کا سوال تو میرا مخبر تمام کاغذات شاہ جی یا مولانا غلام غوث (ہزاروی) کو دکھانے کے لئے تیار ہے اس کے سوا وہ کسی کو بھی کوئی کاغذ دکھانے کے حق میں نہیں ہے وہ سب کو ناقابل اعتبار سمجھتا ہے۔ وہ ایک سرکاری ملازم ہے۔ میں اسکا نام بھی بتانے کو تیار نہیں البتہ شاہ جی اور مولانا غلام غوث ہزاروی چاہیں تو وہ ان سے ملنے کو تیار ہے"۔

۲۔ جب مولانا (مظہر علی اظہر) دھتکار کر جانے لگے تو شاہ جی نے روک لیا۔ "مولوی صاحب آپ کہاں جا رہے ہیں، آپ تشریف رکھیں۔ آپ کے خلاف یا جماعت کے خلاف شورش کچھ چارج لگا رہا ہے"۔ مولوی صاحب رک گئے۔ میں نے ترتیب وار چارج لگانے شروع کئے۔ کانگرس کا روپیہ ساٹھ ہزار، دس ہزار کی ایک قسط، اور پچاس ہزار کی دوسری قسط اور یونی نڈ ابھی فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ مولانا غلام غوث نے ایک ایک شق پر زور دیا۔ کچھ دیر تو سناٹا چھایا رہا پھر سکوت ٹوٹا۔ مولانا (مظہر علی اظہر) نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے۔ لیکن اسوقت ان کے ذہن میں صحیح یاد نہیں کہ یہ رقم کتنی ہے۔ بات صبح پر ملتوی ہو گئی۔ مجھے صاحبزادہ فیض الحسن شاہ۔ مولانا مظہر علی اظہر کے مکان پر لے گئے۔ رات وہیں کاٹی۔ مولانا اس افشار کو برا خیال کرتے تھے اور مضطرب بھی تھے۔ لیکن وہ اخفا کے حق میں تھے۔ میں

نے عرض کیا، جب تمام لوگ آپ سے روپیہ لے چکے ہیں تو پھر وہ معصوم عن الخطا کیوں بنتے ہیں۔ رات جو گذری سو گزری۔ صبح وہی حیث بحث (حیص بیص)۔ صاحبزادہ صاحب نے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں کہیں یہ کہہ دیا۔ کہ شورش اپنے الزام واپس لیتا ہے۔ میں موجود نہ تھا۔ جب پہنچا تو مجھے حیرت ہوئی۔ خیر دوبارہ وہی قصہ چھڑ گیا۔ مولانا مظہر علی نے تسلیم کیا کہ روپیہ لیا گیا ہے لیکن اس کے سزاوار وہ تنہا نہیں۔ بلکہ باقاعدہ مشورہ سے وہ رقم قبول کی گئی ہے۔ پہلا دس ہزار روپیہ مولانا داؤد غزنوی نے دیا تھا اور شیخ حسام الدین اس وقت موجود تھے۔ دوسری قسط بھی انہیں حضرات کے مشورے سے حاصل کی گئی۔ یعنی شیخ حسام الدین نے مولانا حبیب الرحمٰن کو لدھیانہ میں خط لکھا کہ وہ کلکتہ میں کانگرس ہائی کمان تک پہنچیں۔ یہ خط لے کر خاقان بابر، مولانا مظہر علی کے صاحبزادے لدھیانہ پہنچے۔ مولانا حبیب الرحمٰن کلکتہ گئے۔ مولانا ابوالکلام ایک لاکھ کے لگ بھگ رقم دینے کو تیار ہو گئے۔ مگر سردار پٹیل نے جو کانگریس کے خازن تھے اس سے اختلاف کیا اور پچاس ہزار کی رقم کا چیک لالہ بھیم سین سچرؔ کی تحویل میں دیا گیا۔ جو ان کی معرفت دفتر احرار پہنچا۔ پھر اس رقم کی بندر بانٹ کی گئی، وہ رقم جو یونینسٹ پارٹی سے وصول کی گئی اور جس کو بہ اختلاف مولانا نے تسلیم کیا اور وہ رقم جو دو چار ہزار بطور چندہ فراہم کی گئی۔ یہ تمام مل ملا کر پچانوے ہزار بنتے تھے۔ جب مولانا مظہر علی نے بتایا۔ کہ نوابزادہ نصر اللہ خاں کے سوا ورکنگ کمیٹی کے ہر امیدوار ممبر نے ان سے روپیہ لیا ہے تو سب نے تسلیم کیا۔ شیخ حسام الدین بھی مان گئے، ماسٹر تاج الدین نے بھی سر ہلا دیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے بھی صاد کیا۔ [1]

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغ محفل از شورش کاشمیری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۳۴۳ تا ۳۴۴۔

قارئین کرام! اب اندازہ فرمالیں کہ احرار کے لیڈروں نے کس طرح مسلم دشمنی کرکے کانگرس سے روپیہ لے کر دوزخ شکم کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ آج جو لوگ جلیب الرحمٰن کو مجاہد ملت اور رئیس الاحرار کہتے نہیں تھکتے اُن سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اس نظریے اور فیصلے پر نظرثانی کریں۔ تاکہ قوم ان لیڈروں کے صحیح خدوخال سے آگاہ ہو سکے۔

پاکستان کے بارے میں جلیب الرحمٰن کا رویہ ہمیشہ معاندانہ رہا۔ وہ اکثر و بیشتر پاکستان کو مغلظات سے نوازتے رہے ان کے چند ایک گوہر پارے ملاحظہ ہوں۔

"میری سمجھ میں اگر پاکستان آ بھی جائے تو میں فوراً لیگ میں چلا جاؤں۔ لیکن میں پاکستان قبول کرنے میں مسلمانانِ ہند کی ذلت آمیز موت دیکھ رہا ہوں"

"میری اور میرے ساتھیوں کی یہ قطعی رائے ہے کہ نظریۂ پاکستان کی مخالفت کی جائے" ؎

اب گاندھی جی کے نام جلیب الرحمٰن کا ایک خط پڑھئے اور پاکستان دشمنی ملاحظہ فرمائیے اور خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجیے۔

"جلیب روڈ۔ شفاعت منزل لدھیانہ

۱۴ر اگست ۱۹۴۵ء

محترمی مہاتما جی۔ خدا آپ کو سلامت رکھے۔ جن دعاؤں کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا وہ دوسرے پرچے میں ارسال ہیں۔

کل آپ کا بیان پڑھا۔ آپ مسٹر جناح کو پھر پاکستان دینے کو تیار

؎ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء از چوہدری جلیب احمد لاہور ۱۹۶۶ء ص ۵۷، ۵۸

ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو جناح صاحب سے گجراتی ہموطن ہونے کی وجہ سے بہت محبت ہے۔ اس لئے آپ ان کو بھول نہیں سکتے اور ہمیشہ ان کو سربلند دیکھنا چاہتے ہیں۔ خواہ وہ کتنے ہی غلط ہوں۔ آپ کے اس شریفانہ طریقہ کار نے رجعت پسند طاقتوں کو مضبوط کر دیا۔

جب سے پاکستان کا ریزولیشن مسلم لیگ نے منظور کیا ہے اسی وقت سے آپ یہ فرما رہے ہیں کہ اگر مسلمان چاہیں تو ان کو پاکستان دیا جائیگا۔ میں اسی وقت سے آپ کے ان فقروں کا یہ مطلب خیال کرتا ہوں (یقین نہیں) آپ چاہتے ہیں کہ مسلمان صوبے الگ ہو جائیں اور ہندو سات صوبوں کی گورنمنٹ بن سکے تاکہ مسلمانوں کے مطالبات کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ حالات کی مجبوری نے آپ کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے۔ خدائے پاک ہم سب کو صحیح سوچنے اور سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اخبار کا کٹنگ بھی آپ کو بھیج رہا ہوں۔" ؎

لیجیئے! ایک اور خط ملاحظہ فرمایئے جو حبیب الرحمٰن نے پنڈت نہرو کو لکھا تھا۔ اس خط میں اپنی محرومیوں کا رونا رویا ہے کانگرس کے مسلم لیگ کے ساتھ مثبت رویے کو نشانہ سب وشتم بنایا ہے۔ کانگرس کی احرار اور جمعیت علمائے ہند کی طرف عدم توجہ کا گلہ کیا ہے پاکستان دشمنی کا بڑے عجیب طریقے سے مظاہرہ کیا ہے بہ الفاظ دیگر اپنے دل کی بات صفحہ قرطاس پر بکھیر کر اپنے بغض اور عناد کا خوب مظاہرہ کیا ہے۔

حبیب روڈ شفاعت منزل لدھیانہ

۲۳ر اگست ۱۹۴۵ء

محترم پنڈت جی!

؎ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۵۶۵ تا ۵۶۶

تسلیم !

آپ نے اپنی کتاب " میری کہانی " میں لکھا ہے کہ نیشنلسٹ مسلم
آہستہ آہستہ ختم ہو گئے - مگر آپ نے کبھی غور کیا کہ ان کو کس نے ختم کیا - میرے
نزدیک مہاتما گاندھی اور آپ نے سب سے زیادہ خدمت انجام دی ہے ا
راجہ جی نے اسکو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے آپ نے مسلم لیگ اور رجعت پس
طاقتوں کو مسلمانوں کا نمائندہ سمجھ کر ہمیشہ ان سے بات چیت کی اور مسلم لیگ
پارٹیوں میں شامل ہوئے جس کی بنا پر عام مسلمان اور حکومت یہ سمجھنے میں ح
بجانب ہے کہ مسلمانوں کی نمائندہ مسلم لیگ ہے - جمعیت علماء، مجلس احرار ا
آزاد خیال مسلمان نہیں ہیں - حافظ ابراہیم صاحب کے الیکشن میں آپ ـ
ہم لوگوں کو بلوایا اور کامیابی کے بعد نواب اسمٰعیل خاں کے جواب میں آپ نے
کہ انتخاب میں جو سخت کلامی یا بدزبانی ہوئی ہے وہ احرار اور جمعیت کے کا
کی ہے گویا یہ کانگریس کی خدمت کرنے کا انعام تھا جو آپ نے ہمیں دیا تھ
اسی طرح جب لکھنؤ کانگریس کے مشورے سے حافظ ابراہیم کا جلوس کامیاب
کے لئے احرار والنٹیر اور کارکن جس میں میں بھی شریک تھا - کانپور گئے تو وہا
مسلم لیگ کی طرف سے حافظ ابراہیم کے جلوس پر پتھروں کی بارش اور لاٹھیا
برسائی گئیں اور حالات یہ ہو گئے کہ حافظ صاحب اور میں شاید قتل ہو جا
تب احرار والنٹیروں نے حافظ صاحب اور میری جان بچائی اور وہ خوب
اور زخمی ہوئے مگر ہوا یہ کہ احرار والنٹیر گرفتار ہوئے اور ڈسٹرکٹ مجسٹر
کانپور نے بیان دیا کہ احرار و لیگ کا فساد ہو گیا - اس طرح گرفتاریاں عمل
لائی گئیں - لیگی والنٹیروں کی ضمانت اسی دن لے لی گئی اور احرار کی آٹھ د
اس قسم کی دس بارہ مثالیں صرف یو - پی گورنمنٹ کی ہیں جو آپ کو بتا سکتا ہ

شملے میں تو آپ نے مسلم لیگ کو صرف پانچ سیٹیں دینا منظور نہ کیں۔ مگر
واردھا جا کر گاندھی جی نے یہ بیان دے دیا۔ کہ پاکستان کی پیشکش ابھی تک منظور
ہے۔ اس کہنے کا شملہ کانفرنس کے بعد مطلب ہے کہ کانگریس کے ہندو لیڈر پاکستان
دینے کو تیار ہیں اور اگر مخالف ہیں تو حبیب الرحمٰن سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک۔
آپ کشمیر پہنچتے ہی نواب ممدوٹ، صدر مسلم لیگ پنجاب اور نواب دولتانہ سیکرٹری
مسلم لیگ پنجاب کی دعوت پر مسلم لیگ کی پارٹی یعنی عصرانہ میں شامل ہوئے۔
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مولانا آزاد پر کشمیر میں جوتوں اور پتھروں کی بارش کرائی
ان کو آپ نے عزت بخشی۔ آپ نے ان کے اس کہنے کو سچا کر دیا۔ کہ کانگریس کے
ہندو لیڈروں کی پوری عظمت مسلم لیگیوں کے دل میں ہے۔ البتہ کانگریسی مسلمانوں کیلئے
ہمارے دل میں کوئی جگہ نہیں۔ سینکڑوں مسلمان میرے دوست یہ کہتے ہیں کہ جب پنڈت
جواہر لال نہرو اور گاندھی جی لیگی لیڈروں کی عزت کرتے ہیں تو احرار جمعیت علماء اور آزاد
خیال مسلمان ان کے کیوں خلاف ہیں۔ مسلم لیگی دوست اس کہنے میں حق بجانب ہیں۔
چونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ سمجھوتے کے وقت آزاد خیال مسلم جماعتوں کو پنڈت نہرو بھی نہیں
پوچھتے آپ میاں افتخار الدین کے یہاں ٹھہر گئے جو کمیونسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ
مسلم لیگی بھی ہیں۔ اور شاید انہیں کے کہنے پر مسلم لیگ کی پارٹی میں آپ شامل ہوئے تھے۔
اس طریقہ کار نے کانگریس اور ملک کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کا اندازہ آپ نہیں
کر سکتے۔

پنڈت جی! آپ جانتے ہیں کہ ہمیں کانگریس یا آپ لوگوں سے نہ لالچ ہے نہ غرض
(گزشتہ صفحات میں کانگرس سے روپیہ لینے کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ مؤلف) جو مسلمان
آج ہمارے مخالف ہیں وہ ہمارے پاؤں چومتے ہیں۔ اب بھی ہماری عزت کرنے کو
تیار ہیں۔ ان کا ہم سے صرف ایک مطالبہ ہے کہ کانگرس کے معاملہ میں خاموش ہو جائیں

ہم نے آج تک کانگریس کا ساتھ دیا ہے وہ ہندوستان کی آزادی اور ملک کی عز
کے لئے ہے (گویا مسلم لیگ کا ساتھ دینا ہندوستان کی غلامی اور بے عزتی کے مترادف
تھا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ مؤلف)

ہم نے ملک کی آزادی کی محبت میں عزت آبرو، مال سب کچھ قربان کر دیا ہے
کاش کانگریسی لیڈروں کے دل میں اس کا احساس ہوتا۔ (بھلا کرایہ کے لیڈروں کو بھی
کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ مؤلف) مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا ہمارے
ساتھ طریقۂ کار ایک سیاستدان کا سا ہے ایک محبِّ وطن کا نہیں ہے۔ آپ میاں
افتخار الدین قسم کے مسلمانوں کے دوست ہیں جو خود بھی مسلم لیگی ہیں۔ آپ کا یہ حال
کہ مسلم لیگی لیڈروں سے ملے بغیر چل نہیں سکتے۔ (ذرا مولانا کی مسلم لیگ دشمنی پر غور
فرمائیے۔ مؤلف)

جب ملک خضر حیات نے پنجاب میں مسٹر جناح اور مسلم لیگ کو ختم کر دیا تو گاند
جی نے "بھائی جناح" لکھ کر مسلم لیگ کو زندہ کر دیا اگر ملک کی آزادی کی محبت ہمارے د
میں نہ ہو تو سچ کہتا ہوں کہ آپ کا طرز عمل ایک منٹ کے لئے بھی کانگریس میں کام
کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ آپ کا فرض تو یہ تھا کہ پنجاب کا مسلم لیگی لیڈر آپ کے
پاس آتا تو آپ اس سے کہتے کہ جو بات کرنی ہو وہ مولانا داؤد غزنوی اور حبیب الرح
سے جا کر کرو۔ اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو آج آپ کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔
کانگریس میں تلاش کرنے سے بھی مسلمان نہیں ملتا۔" (اے کاش مولانا کو معلوم ہوتا
مسلمان کانگریس کی عیّاری اور آپ کی ملّت فروشی کے سبب مسلم لیگ سے وابست
ہو چکے تھے۔ ان پر آپ حضرات کا غدّارانہ کردار واضح ہو چکا تھا۔ لہٰذا وہ کانگریس کو
کر سوادِ اعظم کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور آپ نہ ادھر کے رہے
نہ اُدھر کے،، مؤلف)

آپ کا مخلص

حبیب الرحمٰن لدھیانوی ۲۳ اگست ۱۹۴۵ء ۹

حبیب الرحمٰن اور ان کے خاندان کی ہندو نوازی اور مسلم دشمنی کی بنا پر ہی ظفر علی خاں نے " لدھیانہ " کے عنوان سے ایک نظم کہی تھی، پڑھیئے اور سر دھنیئے۔

سنتا ہوں مرکز علماء لدھیانہ ہے
جس کی گلی گلی میں انہیں کا فسانہ ہے

لیکن یہ کیا کہ نغمۂ توحید کی بجائے
ان کی زباں پہ برہمنوں کا ترانہ ہے

گر بام خانہ ہے تو کلس سومنات کا
اور ہر دوار اُن کے لئے صحن خانہ ہے

ہیں سیم و زر سے مصلحتیں ان کی ہم کنار
جن کا کفیل گاندھیوں کا خزانہ ہے

صورت تو مومنانہ ہے بلاشک حضور کی
سیرت کا گوشہ گوشہ مگر ہندوانہ ہے

پڑھنے لگی ہے اب جو مسلماں سے رسم و راہ
شدھی کا ہو نہ ہو یہ نیا شاخسانہ ہے

کیوں آستانِ غیر پہ اس کو جھکاؤں میں
یارب یہ سر ہے اور تیرا آستانہ ہے

اے برق کیا مجھے تری چشمک زنی سے خوف
برتر ز شاخِ سدرہ مرا آشیانہ ہے

جب ہم محمد عربی کے غلام ہیں
کیا غم اگر خلاف ہمارے زمانہ ہے ۱۰

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو اکثر احراری لیڈر مثلاً عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین، حاجی محمد اسحٰق حنیف وغیرہ پاکستان آ گئے۔ لیکن حبیب الرحمٰن ہندوستان میں ہی رہے۔ البتہ لدھیانہ سے دہلی منتقل ہو گئے اور کوچۂ رحمان کے ایک مکان میں رہنے لگے۔ پاکستان نہ آنے کی وجہ اُن کے صاحبزادے عزیز الرحمٰن کی زبانی سنیئے:۔

---

۹ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۵۶۶ تا ۵۶۹

۱۰ چمنستان ص ۱۹۷

"ملی جلی زندگی کے جو خواب انہوں نے دیکھے تھے، وہ پاکستان میں کیا پورے ہوتے۔ اس خواب کی تعبیر اگر ہو سکتی تھی تو ہندوستان ہی میں ہو سکتی تھی۔ اس لئے وہ دِلّی آ گئے۔" [11]

تقسیم برصغیر کے بعد مولانا نے ہندوستان کے متعلق یوں اظہار خیال کیا۔

"اُن کا نظریہ ہے کہ ہندوستان میں تمام لوگ بغیر تفریق مذہب و مِلّت صرف اس بنیاد پر کام کریں کہ وہ ہندوستانی ہیں اور ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے وطن کی تعمیر کریں۔ مذہبی بنیادوں پر ملکی مسائل کا حل نہ ہو۔" [12]

قارئین کرام خود اندازہ فرمائیں کہ پاکستان بننے کے بعد بھی حبیب الرحمن پاکستان دشمنی کو ختم نہ کر سکے بلکہ دہلی میں رہائش پذیر ہو کر ان پر سیکولرازم کا غلبہ بڑھتا گیا متحدہ قومیت کا نشہ چڑھتا گیا اور وہ اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے مزید دُور ہو کر لامذہبیت کا درس دیتے رہے جو ایک عالم دین کی شان کے خلاف ہے۔ مگر چونکہ ان لوگوں کی رگوں میں مسلمان خون کے بجائے کانگریسی روپیہ پیسہ دوڑ رہا تھا۔ لہٰذا وہ ہندوؤں کو کیسے ناراض کر لیتے ان کی دنیاوی فلاح اسی میں ہی مضمر تھی کہ وہ ہندوؤں کے گیت گاتے رہیں۔ [13]

۲ر ستمبر ۱۹۵۶ء کو حبیب الرحمن کا دہلی میں انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے

---

[11] جنگ آزادی کے مسلم مجاہدین ص ۲۵۔ [12] ایضاً ص ۳۳

[13] جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۵۴۔ جنگ آزادی کے مجاہدین ص ۱۷۔ جانباز مرزا، روئیداد جشن دیوبند لاہور ۱۹۸۰ء ص ۷۳

مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری

عطاء اللہ شاہ بخاری کی ولادت یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۱ء) کو پٹنہ میں ہوئی۔ والد ماجد کا نام سید ضیاء الدین احمد تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت مولانا نور احمد امرتسری، مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی امرتسری، مفتی محمد حسن امرتسری اور مولانا حبیب الرحمٰن مکیؒ سے تکمیل کی۔ ؎۱

شاہ جی نے تحریک خلافت، ترک موالات و دیگر تحریکوں اور تنظیموں میں کام کیا۔ لیکن ان کی شہرت کی معراج مجلس احرار تھی جس کے پلیٹ فارم سے وہ ایک کامیاب و مقبول عام مقرر کی حیثیت سے ابھرے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ شاہ جی کے نظریات سواد اعظم سے ہٹ کر کانگریس سے ملتے تھے اور کانگریس کی حمایت میں انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ شاہ جی نے قائداعظم، مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی جی بھر کر مخالفت کی۔ ان کی جادو بیانی اور خوش الحانی کانگریس کے پلے میں ہی رہی اور مسلم لیگ ان کے نزدیک قابل گردن زدنی رہی۔ ان کی پاکستان دشمنی کے چند ایک واقعات درج ذیل ہیں۔ پڑھیئے اور سر پیٹیئے۔

سور۔ امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے شاہ جی نے مسلم لیگ کے متعلق یوں ارشاد کیا۔

"جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے۔ وہ سور ہیں اور سور کھانے والے ہیں" ؎۲

ایک اور مقام پر شاہ جی کے منہ سے اسطرح پھول جھڑتے ہیں۔

● "پاکستان کے بارے میں پورے تین مہینوں تک پنجاب میں میں نے جس جگہ بھی تقریریں کی ہیں۔ پاکستان کو مسلمانان ہندوستان کے لئے

؎۱ شورش کاشمیری: عطاء اللہ شاہ بخاری لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲، ۷، ۴۴۔

؎۲ چمنستان از ظفر علی خاں مطبوعہ لاہور ۱۹۴۴ء ص ۱۶۵

مہلک بلکہ ہلاکت آفرین اور فلاکت خیز بتایا ہے اور دلائل سے یہ باتیں ثابت کی ہیں۔ میری سمجھ میں تو پاکستان کے حق میں کوئی دلیل نہیں آئی۔" ۳؎

● پسرور احرار کانفرنس ۱۹۴۶ء میں شاہ جی نے فرمایا۔

"پاکستان کا بننا تو بڑی بات ہے۔ کسی ماں نے ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی "پ" بھی بنا سکے۔" ۴؎

ایک اور موقع پر یہ کہا:۔

● "ان لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ وہ اب بھی پاکستان کا نام جپتے ہیں سچ ہے پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ ہائی کمان ایک سپیرا ہے۔" ۵؎

علی پور احرار کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شاہ جی نے یوں گوہر افشانی فرمائی:۔

● "مسلم لیگ کے لیڈر "بے عملوں کی ٹولی" ہیں جنہیں اپنی عاقبت بھی یاد نہیں اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کر رہے ہیں اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں، وہ پاکستان نہیں۔ بلکہ خاکستان ہے۔" ۶؎

لاہور میں دوران تقریر شاہ جی گویا ہوئے:۔

● "پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے۔" ۷؎

۳؎ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۵۹۶

۴؎-۵؎ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۸۸۳، ۸۸۴

۶؎-۷؎ رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء ص ۲۷۴، ۲۷۵

تحریک پاکستان میں شاہ جی کے کردار کے بارے میں پیام شاہجہانپوری یوں رقمطراز ہیں۔ غور سے پڑھیئے اور شاہ جی کی پاکستان دشمنی کی داد دیجئے۔

" مجلس احرار کے سب سے بڑے قائد و رہنما مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ جن کی خطابت اور شعلہ بیانی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ان کا مسلمان عوام پر بڑا اثر تھا اور مسلمانوں کے دینی و سیاسی حلقوں میں انہیں نہایت عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا مگر تحریک پاکستان میں انہوں نے جو کردار ادا کیا۔ وہ نہایت افسوسناک تھا۔ اور اس کردار نے مسلمان عوام میں ان کی عزت و تکریم کم کر دی۔ شاہ صاحب ..... موصوف نے پاکستان کی مخالفت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا اور اس مقصد کے لئے نہ صرف پنجاب کے بلکہ ملک گیر دورے کئے اور مسلمانوں کو پاکستان کی نہایت ہیبت ناک تصویر دکھا کر انہیں اس تصور سے برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کی۔ ؎

شاہ جی نے پاکستان کی جو ہیبتناک اور خوفناک تصویر عوام کے سامنے پیش کی اس کا ایک نمونہ سید رئیس احمد جعفری کے الفاظ میں سنیئے۔

" ۲۹ دسمبر ۱۹۴۵ء کی شب کو بمبئی کی مجلس احرار کے اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے عطاء اللہ شاہ بخاری نے فرمایا۔

"پاکستان کے دونوں اجزاء ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں گے اور ان کے درمیان ۲۶ کروڑ ہندوؤں کی ایک زبردست حکومت ہو گی جس کے پاس سرمایہ ہو گا، ہنرمند اور صاحب دماغ آدمی ہوں گے جواہر لال ہو گا۔ گاندھی جی مہاراج ہوں گے۔ کالا ناگ راج گوپال

؎ تاریخ نظریہ پاکستان از پیام شاہجہانپوری لاہور ۱۹۷۰ء ص ۳۹۹

اچاریہ ہوگا۔ (یہاں آپ اس بات پر غور فرمائیں کہ شاہ جی نے گاندھی جی کو "مہاراج" اور راج گوپال اچاریہ کو "کالا ناگ" کیوں قرار دیا۔ اس لئے کہ کانگرس میں راج گوپال اچاریہ پہلا شخص تھا جس نے اپنی جماعت کو مشورہ دیا تھا کہ اسے پاکستان کا مطالبہ تسلیم کر لینا چاہیئے) مالوی جی ہوں گے، برخلاف اس کے بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد کے مسلمان زیادہ تر کمین ہیں۔ یعنی لوہار، موچی، بڑھئی، کسان مزدور حتیٰ کہ پنجاب کے بعض علاقوں میں مسلمان بھنگی کا کام کرتے ہیں۔ جو علاقے پاکستان کے لئے طلب کئے جاتے ہیں، ان میں ہندو سرمایہ دار ہیں تعلیم یافتہ ہیں تجارت پر ان کا قبضہ ہے۔ پشاور والوں کو شلوار کے لئے لٹھہ امرتسر کی منڈی سے خریدنا پڑتا ہے"[۹]

شاہ جی کی اس دلخراش اور جگر پاش تقریر پر جناب رئیس احمد جعفری کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"یہ خیالات ایک عالم دین کے ہیں۔ جو سرمایہ داری سے مرعوب ہے اور مسلمانوں کو "کمین" کہہ کر اسلام کی توہین کر رہا ہے۔ یہ اس مذہب کا "عالم" ہے جس کے داعی نے فرمایا تھا۔ "الفقر فخری" یہ اُس قوم کا فرد ہے جس کے شتر بانوں نے ایران اور روم کی شہنشاہیتیں الٹ دی تھیں۔ اس استدلال کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوا کہ مسلمان "غریب" ہیں۔ "کمین" ہیں۔ لہٰذا وہ اپنے ہندو آقاؤں کی سرپرستی میں زندگی بسر کریں۔ ورنہ وہ کچل کر رکھ دیئے جائیں گے۔ تباہ و برباد کر دیئے جائیں گے۔ تعجب ہے جس قوم کے بعض رہنما تک" احساس

۹؎ قائد اعظم اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۳۸۳

کمتری" کے اس مرض مبتلا ہیں وہ پھر بھی اتنی حساس اور خود دار ہے کہ پاکستان لینے پر تلی ہوئی ہے"۔ ؎۱

تاریخ شاہد ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلباء نے تحریک پاکستان میں جو کردار ادا کیا اس کی نظیر مشکل سے ملے گی۔ شاہ جی طلباء کے اس پاکستان بلکہ اسلام دوست کردار سے سخت نالاں تھے۔ چنانچہ انہوں نے طلباء پر ایک نہایت ناپاک، غلط اور تمام تر دروغ الزام ایک تقریر میں لگایا جو قوم پرور اخبارات "زمزم" لاہور اور "ہند" کلکتہ نے بڑی اہمیت کے ساتھ شائع کیا۔ اس تقریر میں شاہ جی نے سر سید کو بھی لپیٹ لیا۔ ملاحظہ ہو۔

● "سر سیّد کی اولاد جو علی گڑھ کے زیر سایہ پل رہی ہے ان نوجوانوں میں ایسے برخوردار بھی تھے جنہوں نے مولانا ابوالکلام کے ڈبہ میں داخل ہو کر اپنی پتلونیں اتار دیں اور اپنی شرمگاہوں کا مظاہرہ کیا مولانا حسین احمد مدنی جیسے عالم دین کی بے حرمتی کرنے میں سر سید احمد کی اولاد یہاں تک چلی گئی کہ ان کی ٹوپی چلا دی گئی، ان کی نورانی داڑھی میں شراب کی بوتل انڈیل کر اپنے اخلاق کی انتہائی پستی کا ثبوت دیا"۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اپنے اخبار "صدق" مورخہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء میں اس انداز گفتگو پر تنقید کرتے ہوئے لکھا۔

"جس تقریر دلپذیر کا یہ نمونہ درج ہوا ہے اس کے معنوی جواہر ریزوں سے قطع نظر کر لیجئے۔ اسے بھی جانے دیجئے کہ جس وقت وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔ کی تکمیل حکم کی بابت پرسش ہو رہی ہو گی۔ اس وقت اس

؎۱ قائداعظم اور اُن کا عہد ص ۳۸۳

خطیب اعظم کے پاس کیا جواب ہوگا۔ یہاں داد صرف اس کی دیجیئے۔ کہ اردو میں ایک نئی گالی خوب ہاتھ آگئی "سرسید کی اولاد"۔ بچہ شمر" "اولادِ یزید" "ذریت شیطان" "ابلیس کے قبیلہ" کے الفاظ کو مبارک ہو کہ انہیں ایک نیا ساتھی "سرسید کی اولاد" شاہ صاحب کی عنائیت سے خوب مل گیا۔ [۱۱]

مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں شاہ جی اور ان کی مجلس احرار نے جو کارنامے انجام دیئے تھے ان کی داد ظفر علی خان کے خامہ بہار آفریں نے یوں دی تھی۔

اللہ کے قانون کی پہچان سے بیزار — اسلام اور ایمان اور احسان سے بیزار
ناموس پیمبر کے نگہبان سے بیزار — کافر سے موالات مسلمان سے بیزار
اس اسلام پر ہے یہ دعویٰ کہ ہیں اسلام کے احرار — احرار کہاں کے یہ ہیں اسلام کے غدار
پنجاب کے احرار اسلام کے غدار

کھاتا ہے مسلماں کوئی سینہ میں جو گولی — گالی اسے دیتی ہے یہ احرار کی ٹولی
اسلامیوں کے خون سے چلے کھیلنے ہولی — احرار کو پھر آج سے کیوں لکھئے نہ اشرار
پنجاب کے احرار اسلام کے غدار

سوجھی شہدا پر انہیں مردار کی پھبتی! — سکھوں کی یہ پھبتی ہے نہ سرکار کی پھبتی!
توحید کے بیٹوں پہ ہے احرار کی پھبتی! — گمراہ ہیں خود اور ہمیں کہتے ہیں غلط کار
پنجاب کے احرار اسلام کے غدار

اللہ کے گھر کو کوئی ڈھا دے تو یہ خوش ہیں — مسجد کا نشاں کوئی مٹا دے تو یہ خوش ہیں
مسلم کا کوئی خون بہا دے تو یہ خوش ہیں — لاہور میں آثار قیامت ہیں نمودار
پنجاب کے احرار اسلام کے غدار

---

[۱۱] قائد اعظم اور اُن کا عہد ص ۳۸۱، ۳۸۲

مردانِ مجاہد سے جو اسطرح کٹے ہیں اللہ کے رستہ سے جو اسطرح ہٹے ہیں
اسلام کی فوجوں کے مقابل جو ڈٹے ہیں پھر کیوں نہ یہ کمبخت ہوں رُسوا سرِبازار

پنجاب کے احرار اسلام کے غدار[۱۲]

شہید گنج کا ذکر چلا تو لگے ہاتھوں مشہور صحافی مولوی محمد سعید کی زبانی بھی کچھ باتیں سن لیجئے اور شاہ جی اور ان کے ساتھیوں کے کردار کی داد دیجئے۔ مولوی صاحب لکھتے ہیں۔

"۹ رجولائی ۱۹۳۵ کا دن شہید گنج کے پرستاروں کے لئے قیامت کا دن تھا۔ لاہور کے دلی دروازہ کے باہر محلہ دارا شکوہ پر مسلمانوں کی یورش ہو رہی تھی۔ ناکہ خاردار تاروں سے بند تھا۔ کوتوالی کی برجیوں پر گورا فوج ہتھیار نصب کئے بیٹھی تھی۔ جوانانِ لاہور چھاتیاں کھولے موجوں کی صورت میں آگے بڑھتے جاتے اور موت کے گھاٹ اترتے جاتے۔ یہ خبر مجھے احرار کے جلسہ میں ملی۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے کے وقت میں سید عطاءاللہ شاہ بخاری اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پسرور کی سرکلر روڈ پر کاشانہ میں ان کا قیام تھا۔ کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ میں نے سلام عرض کیا۔ آموں کی گٹھلیاں جس مقدار میں موجود تھیں اِس سے معلوم ہو رہا تھا۔ کہ کھانا بڑی رغبت سے تناول کیا گیا ہے۔ میں نے جاتے ہی پوچھا۔ کیا لاہور میں جو گولی چل رہی ہے اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ سید صاحب کچھ نہیں کہہ پائے تھے کہ مولانا لدھیانوی نے گرج کر کہا: "جاؤ کرم آباد، ظفر علی خاں سے پوچھو" (مولانا ظفر علی خاں اس وقت اپنے آبائی گاؤں کرم آباد میں نظر بند تھے) پیشتر اس سے کہ میں کچھ

---

[۱۲] قائد اعظم اور ان کا عہد ص ۳۸۵، ۳۸۶

اور عرض کرنے کی جسارت کرتا۔ شاہ صاحب نے مجھے اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھالیا۔ بڑی شفقت سے خیر و عافیت پوچھی۔ میرے جذبے کو سراہا اور پھر کسی قدر جوش میں آکر پوچھا! "اگر پنجاب میں خانہ جنگی چھڑ گئی۔ تو تیار ہو"؟ مجھے معلوم تھا کہ سوال جواب کے لئے نہیں پوچھا گیا۔ میں خاموش رہا۔ پھر خود ہی کہنے لگے: آج ہی لاہور جاکے عورتوں کے برقعے اترواسکتا ہوں۔ لیکن اگر پنجاب میں خون کی ندیاں بہہ نکلیں تو کون ذمہ دار ہوگا۔؟ اس گفتگو سے میں نے محسوس کیا کہ احرار اس دلدل میں پھنسنا نہیں چاہتے اور کشت و خون کا سارا الزام ظفر علی خاں کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔ ؎۱۳

شاہ جی نے ارشاد فرمایا کہ "شہید گنج مسجد ضرار ہے۔" جب عوام میں مقبولیت ختم ہوتی نظر آئی تو پھر ایجی ٹیشن شروع کردیا اور کہا کہ شہید گنج کے گنبد پر جو گینتی پڑتی ہے وہ بخاری کے سینے پر پڑتی ہے۔ جتھے بھیجنے شروع کئے۔ گرفتاریاں پیش کی گئیں۔ لیکن یہ بے وقت کی راگنی تھی۔ نہ گانے والے کو لذت آئی اور نہ سننے والوں کو۔ سر فضل حسین انتخابات سے قبل ہی انتقال کر گئے۔ احرار چونکہ مسجد شہید گنج سے دامن بچاکر اسی میدان میں اترنا چاہتے تھے اس لئے شاہ جی نے ان کے انتقال پر بڑے رقیبانہ انداز میں کہا: " فضل حسین جاتے جاتے شہید گنج کی دیوار ہم پر گرا گئے ہیں"۔ ؎۱۴

شاہ جی نے دل کھول کر پاکستان کی مخالفت کی اور قیام پاکستان کے بعد بھی مخالفت کا برملا اظہار فرماتے رہے۔ ۲۱/ اگست 1951ء کو لاہور موچی دروازہ

؎۱۳ آہنگ بازگشت از مولوی محمد سعید مطبوعہ لاہور 1979ء ص ۹۷، ۹۸

؎۱۴ آہنگ بازگشت ص ۹۹

کے باغ میں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد کیا۔

- "یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے پاکستان کی مخالفت کی۔ لیکن جو کچھ کیا اور جو کچھ صحیح سمجھا وہی کچھ کیا۔ ہمارا ضمیر اس وقت بھی مطمئن تھا اور آج بھی شرمندہ نہیں ہے۔" ۱۵ے

۸-۹/ دسمبر ۱۹۴۵ء کو لاہور میں پنجاب پراونشل احرار کانفرنس کا صوبائی انتخابی اجلاس شیخ حسام الدین صدر آل انڈیا احرار کی صدارت میں بیرون دہلی دروازہ ہوا جس کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا۔

- "نعرہ پاکستان مسلم لیگ کا انتخابی سٹنٹ ہے جو محض انتخاب جیتنے کے لئے سرمایہ داروں، سروں، خان بہادروں وغیر ملکی حکومت کے پٹھوؤں نے جن کو دراصل اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں، سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ایجاد کیا ہے۔"

سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا:-

- "میں آج اس اسٹیج سے اعلان کرتا ہوں کہ ہندوستان میں نہ پاکستان بن سکتا ہے، نہ حکومتِ الٰہیہ کا قیام عمل میں لایا جا سکتا ہے جو پاکستان کے نام پر یا حکومت الٰہیہ کا نعرہ لگا کر مسلمانوں سے ووٹ کی بھیک مانگتا ہے وہ انہیں گمراہ کرتا ہے۔" ۱۶ے

لالچ۔ شاہ جی کو قدرت نے بڑی فیاضی سے ملکہ خطابت ارزانی فرمایا تھا لیکن انہوں نے خطابت و تقریر کی تمام صلاحیتوں کو مسلم مفاد کے خلاف استعمال کیا اور وہ بھی محض چند ٹکوں کے لالچ میں۔ ایک دفعہ دوران تقریر شاہ جی سے

۱۵ے حیات امیر شریعت از جانباز مرزا مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۳۳۸

۱۶ے کاروان احرار جلد ششم از جانباز مرزا مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء ص ۳۸۹

کسی نے سوال کیا۔

"شاہ جی جناح سے آپ کا اختلاف کیا ہے"؟

فرمایا۔

کوئی نہیں۔

وہ۔ تو پھر ایک کیوں نہیں ہو جاتے۔

شاہ جی۔ بھائی، میں تو ان کی کفش برداری کو تیار ہوں لیکن میرے ذہن میں بعض کانٹے ہیں۔ وہ (قائداعظم) یاد فرمائیں تو سر کے بل جاؤں گا۔ سمجھا دیا تو وہ آرام سے بیٹھیں۔ ان کی لڑائی خود لڑوں گا۔ لیکن وہ ہم سے بات نہیں کرتے صرف بیعت چاہتے ہیں۔

مجمع دیہاتی تھا۔ قائداعظم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ؎

مری گھگھری نوں گھنگرو لوا دے

جے توں میری ٹور ویکھنی! [۱۷]

شاہ جی کی زبان فیض ترجمان سے آپ نے "گھگھری کو گھنگرو لگوانے" کی بات سنی تو اب اس پر ادیب شہیر سید نور محمد قادری کا تبصرہ بھی ملاحظہ فرمائیے وہ لکھتے ہیں کہ "اصل میں مسلم لیگ سے شاہ صاحب اور ان کے ہم خیال و ہم فکر علماء کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ وہ ان کی گھگھری میں گھنگرو لوا دیں جو وہ اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے نہ کر سکی۔ اس کے مقابلہ میں برلا اور ٹاٹا کی بے پناہ دولت تھی جو نہ صرف چاندی بلکہ سونے کے گھنگرو تک شاہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کی گھگھریوں میں لگوا سکتے تھے بلکہ انہوں نے لگوا بھی دیئے۔ اس واقعہ کا راوی کوئی ایرا غیرا نہیں۔ بلکہ شاہ صاحب کے غالی عقیدت مند مشہور

---

۱۷ سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شورش کاشمیری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۸۹

اہل قلم اور خطیب شورش کاشمیری ہیں۔ [18]

مشہور اہل قلم خواجہ افتخار شاہ جی کی پاکستان دشمنی کے بارے یوں رقمطراز ہیں۔ کہ " جن نیشلسٹ مسلمانوں بالخصوص سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین اور غازی عبدالرحمن وغیرہ نے پاکستان کے مطالبے کی بھرپور مخالفت کی تھی اور جو ہندوؤں سکھوں کے ساتھ مل جل کر رہنے میں مسلمانوں کی بھلائی پر یقین رکھتے تھے اور پاکستان کے مطالبے کی مخالفت میں اپنا زور بیان صرف کر رہے تھے۔ جب پاکستان معرض وجود میں آگیا تو انہی ہندوؤں سکھوں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ حسام الدین اور غازی عبدالرحمن کا امرتسر میں جینا دوبھر کر دیا۔ اور ہندوؤں سکھوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کا درس دینے والے یہ تینوں بزرگ جسطرح ہندوؤں سکھوں سے اپنی جانیں بچا کر امرتسر سے بھاگ کر پاکستان آئے وہ ہندوؤں سکھوں کی مسلم دشمنی کی منہ بولتی تصویر ہے۔ [19]

شاہ جی نے تحریک پاکستان کے خلاف جو کچھ کیا وہ مختصراً قارئین کے پیش کر دیا گیا ہے۔ آپ حضرات خود اندازہ لگالیں کہ شاہ جی نے پاکستان کے خلاف کیا کچھ نہ کیا۔ شاہ جی کے ان کارناموں کی وجہ سے پنجاب تقسیم ہوا۔ اگر مجلس احرار مسلم لیگ کی مخالفت نہ کرتی، پاکستان کو خاکستان نہ گردانتی تحریک پاکستان کے خلاف اپنی قوت صرف نہ کرتی تو پورا پنجاب پاکستان میں شامل ہوتا۔

شاہ جی پاکستان کی عمر بھر مخالفت کرنے کے بعد ۲۱ / اگست ۱۹۶۱ء کو ملتان میں رحلت فرما گئے اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔ [20]

۱۸؎ اقبال کے دینی و سیاسی افکار از سید نور محمد قادری مطبوعہ گجرات ۱۹۸۲ء ص ۱۳۵

۱۹؎ جب امرتسر جل رہا تھا۔ از خواجہ افتخار مطبوعہ لاہور طبع سوم اگست ۱۹۸۲ء ص ۵۱

۲۰؎ بہت بڑے مسلمان از عبدالرشید ارشد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۸۶۷
عطاء اللہ شاہ بخاری از زاہد منیر عامر مطبوعہ فیصل آباد ۱۹۸۳ء ص ۱۲۶

مولوی حسین احمد مدنیؒ

حسین احمد مدنی کی ولادت ۱۹ ر شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۶ ر اکتوبر ۱۸۷۹ء کو بمقام بانگرمئو ضلع اناؤ میں ہوئی۔ جہاں آپ کے والد مولانا حبیب اللہ مدرس تھے ویسے آپ کا وطن اللہ داد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد (انڈیا) ہے۔ آپ نے مشاہیر دیوبند مثلاً مولوی ذوالفقار علی مولوی خلیل احمد سہارنپوری، مفتی عزیز الرحمن اور مولوی حبیب الرحمن عثمانی سے علمی استفادہ کیا۔ [۱]

مولوی حسین احمد مدنی کی پوری زندگی اکابرین دیوبند کا مظہر تھی۔ علم و ادب آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ دیوبندی حضرات کے نزدیک زہد و تقویٰ میں آپ اپنی مثال تھے۔ سادگی اور انکساری کا مجسمہ تھے لیکن افسوس کہ سیاسی میدان میں ان کی تمام کاوشیں اور کوششیں کانگرس کی حمایت میں ہی رہیں۔ مسلم لیگ ان کے نزدیک قابل گردن زدنی رہی۔ تحریک پاکستان کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ بلکہ قیام پاکستان کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مولوی مدنی اور ان کی جمعیت علمار ہند نے جو مسلم دشمن کردار ادا کیا وہ کسی بھی چشم بینا سے مخفی نہیں ہے۔ پروفیسر چوہدری نصراللہ خاں کے الفاظ میں "مسلمانوں کی قیادت کی دعوے دار جماعت جمعیت علمار ہند تھی۔ چونکہ یہ جماعت قوم پرست تھی اور اس لحاظ سے کانگرس کی حاشیہ بردار جماعت تھی اس لیئے اس کا مسلم لیگ سے تصادم ناگزیر تھا۔ طبقہ علمار میں یہ پرانی خوش فہمی چلی آرہی ہے کہ جو شخص صرف اور نحو پر حاوی ہو جائے وہ سمجھتا ہے کہ وہ فن سیاست پر بھی حاوی ہے۔ انہیں یہ خبر نہیں کہ قدیم یونان سے لے کر دور حاضر تک سیاست ایک مستقل اور

۱۔ بیس بڑے مسلمان از عبدالرشید ارشد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۶۲۴، ۶۶۴
نقش حیات از حسین احمد مدنی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۲۰

مکمل فن ہے۔ جس طرح کوئی شخص محض صرف و نحو کی بنا پر ایک ڈاکٹر یا انجینئر یا جرنیل نہیں بن سکتا اسی طرح محض صرف و نحو کی بنا پر قائد اور مدبّر بننا ممکن نہیں ہے۔ دوم۔ اجتہاد کے دروازے بند کر دینے اور روشنی کے تمام وسائل مسدود کر دینے کے بعد یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ ایسی درسگاہ سے کوئی بین الاقوامی معیار کا صاحب بصیرت پیدا ہو۔

باایں ہمہ جمعیت علمار ہند نے قوم پرستی کا نعرہ پورے زور شور سے لگایا۔ اور اپنا سارا زور کانگرس کے پلڑے میں ڈال دیا۔ ان بے بصیرت علمائے دیوبند کے دل و دماغ میں عجیب دوئی اور تضاد تھا جس کو وہ جامۂ جالوس میں چھپائے ہے تھے وہ دوہری وفاداری کے قائل تھے۔ اسلام سے وفاداری اور بطور ہندی قوم ملک ہند سے وفاداری۔ ایک ہی دل میں یہ حق و باطل دونوں کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔ قائد اور مسلم لیگ کے بارے میں وہ داڑھی اور نماز کا پیمانہ استعمال کرتے تھے اور بزعم خویش قائد اعظم جیسے کافر اعظم کو مسلمانوں کی قیادت کا سزاوار نہیں گردانتے تھے۔ گاندھی اور نہرو تعلقات کے معاملے میں وہ اسلام کو ایک نجی معاملہ قرار دیتے تھے۔ یہ موٹی سی بات بھی ان علمار کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ متحدہ ہند میں جہاں مسلمانوں کی تعداد ایک چوتھائی کے قریب تھی، قرون اولیٰ کا خالص اور اصل اسلام کیسے پنپ سکتا تھا۔

ان کی صدائے بے ہنگام کا یہ عالم تھا کہ جب کفر و اسلام کی جنگ ہو رہی تھی ان کی نظر قائد کی خامیوں پر تھی۔ مگر کفرستان ہند کے ابوجہل اور ابولہب ان کی آنکھ میں نہیں کھٹکتے تھے۔ کفر و اسلام کی مصالحت و شراکت پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دائمی خطِ تنسیخ کھینچ کر تاکید کر دی تھی کہ حق و باطل کے درمیان شرکت کسی صورت قبول نہ کرو۔ مگر دین اسلام کے یہ اجارہ دار کفر و اسلام کی دوئی کو ہضم کر کے حق و باطل میں مفاہمت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ علامہ نے صحیح عکاسی کی ہے۔

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی — جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

اقبال نے تین بلیغ اور جامع اشعار لکھ کر سرخیل دیوبند حسین احمد مدنی کا تمام علمی تبحر خاک میں ملا دیا۔ ~~

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ — ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است ~~۲

ان اشعار کا پس منظر یہ ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں حسین احمد مدنی نے صدر بازار دہلی نزد پل بنگش ایک جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "آجکل اقوام وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں۔" ~~۳ یہ خبر سن کر اقبال نے یہ اشعار ارشاد فرمائے تھے جو آج تک دیوبند کی چھاتی کا فانوس بنے ہوئے ہیں۔ ان اشعار کے خلاف دیوبندی حضرات نے آج تک مہم چلائی ہوئی ہے۔ حضرت علامہ کی ذات ستودہ صفات پر کیچڑ اچھالنا ان لوگوں نے اپنا وظیفہ حیات بنا لیا ہوا ہے۔ مگر ابھی تک وہ مولوی مدنی کے ماتھے سے یہ داغ دھو نہیں سکے۔ کیونکہ ؎

کیا بنے بات جو بات بنائے نہ بنے

ماہنامہ "الرشید" ساہیوال کے "اقبال و مدنی نمبر" ماہنامہ "فیض الاسلام" راولپنڈی کے "اقبال نمبر" میں مولوی مدنی کے پیروکاروں نے علامہ کو جی بھر کر گالیاں دی ہیں۔ تاکہ مولوی مدنی کا کھاتہ صاف کر سکیں۔ مگر خاطر نامراد ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید اقبال کے ایک انٹرویو سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

~~۲ مجلہ "مرغزار" قائداعظم نمبر ۱۹۷۶ء گورنمنٹ کالج شیخوپورہ ص ۱۷۶ تا ۱۷۸

~~۳ متحدہ قومیت اور اسلام از مولانا حسین احمد مدنی مطبوعہ لاہور ۷۵ء ص ۴

کاروان احرار جلد سوم از جانباز مرزا مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۴۴

سوال :- کیا آپ کے خیال میں قوم اور ملت میں فرق ہے ؟

جواب :- جی نہیں ! میری رائے میں دونوں الفاظ یکساں معنی رکھتے ہیں۔ البتہ تحریک پاکستان کے مخالفین اپنی سہولت کے لئے انہیں متضاد معنی پہناتے تھے۔ مثال کے طور پر جمعیت علمائے ہند کے حسین احمد مدنی کہا کرتے تھے کہ قوم کا مطلب زمین ہے اور ملت کا آسمان۔ ان کا کہنا تھا کہ ہندو اور مسلمان کی قوم ایک ہے یعنی ہندوستانی۔ لیکن ملت مختلف ہے یعنی مذہب۔[۴] — جو حضرات اس بحث کو تفصیل سے ملاحظہ فرمانا چاہیں وہ مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ فرما کر علامہ اقبال کی حقانیت اور حسین احمد مدنی کے غلط موقف کا منظر دیکھ لیں۔

۱۔ اقبال کا آخری معرکہ از سید نور محمد قادری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

۲۔ اقبال اور محبت رسول از پروفیسر محمد طاہر فاروقی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء

۳۔ اقبال کے حضور از سید نذیر نیازی مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء

۴۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ از محمد احمد خاں مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء

اب ہم تحریک پاکستان کی طرف آتے ہیں جس کی مخالفت میں حسین احمد مدنی نے اپنی تمام تر توانائیاں اور زہد و تقویٰ صرف کر دیا۔ مسلم لیگ سے مخالفت کا آغاز جون ۱۹۳۶ء میں لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کے اجلاس کے دوران ہوا۔ اور پھر جمعیت علمائے ہند حسین احمد مدنی کی قیادت میں مکمل طور پر کانگریس کی گود میں چلی گئی۔ اس مخالفت کی تفصیل حضرت قائد اعظم کے ساتھی مرزا ابو الحسن اصفہانی کی زبانی سنیئے۔

" پارلیمنٹری بورڈ کے جلسے کے دوران کئی تقریریں ہوئیں، جو ہمارے نقریر

[۴] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳ر اکتوبر ۱۹۸۰ء

کرنے کے روایتی شوق کے عین مطابق تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ پہلے روز مفتی کفایت اللہ اور حسین احمد مدنی نے مسٹر جناح کی تائید کی اور ان کی اس تحریک پر کہ مسلم لیگ کو زندہ سیاست کے اکھاڑے میں لایا جائے خوشنودی کا اظہار کیا۔ لیکن آخری روز ان دو عالموں میں سے ایک نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ انتخابات میں ایک جماعت کی حیثیت سے مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے موثر اور مسلسل پروپیگنڈا کی ضرورت ہو گی۔ لہذا دیوبند اپنے تمام ذرائع لیگ کی خدمت میں پیش کر دے گا بشرطیکہ پروپیگنڈا کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اندازہ یہ لگایا گیا کہ شروع میں کوئی پچاس ہزار روپے درکار ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت لیگ کے صندوقچے میں پچاس تانبے کے سکے بھی نہ تھے۔ صدر اور سیکرٹری جو دونوں اعزازی تھے اپنے دفتر اپنے تھیلوں میں اٹھائے پھرتے تھے۔

جون ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کے پاس کوئی روپیہ نہ تھا۔ لہذا مسٹر جناح مولانا کی یہ پیشکش منظور نہ کر سکے کہ مالی امداد کی شرط پر وہ دارالعلوم دیوبند کے تمام ذرائع تبلیغ ان کے لئے وقف کر دیں گے۔ مولاناؤں کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ ہندو کانگریس کی طرف ڈھلتے گئے اور کانگرس پارٹی کیلئے پرچار کرنے لگے۔ جو ظاہر ہے اُن کے مالی تقاضے پورے کر سکتی تھی۔ یہ میرے لئے ایک تلخ صدمے کا باعث ہوا۔ کیونکہ مجھے یہ توقع نہ تھی کہ خود علمائے دین مسلمانوں کے راستے میں جو اپنی قومی آزادی کی جدوجہد کر رہے تھے، حائل ہو جائیں گے۔ مجھے کبھی یہ یقین نہ آتا تھا کہ ایسے قابل تعظیم حضرات ذاتی اور جماعتی مفادات کو قوم کے مفادات پر مقدم رکھیں گے۔" ۵

قائد اعظم اور مسلم لیگ سے حسین احمد مدنی کی مخالفت اس حد تک پہنچ

---

۵ قائد اعظم میری نظر میں۔ از مرزا ابوالحسن اصفہانی شاہکار ایڈیشن لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۰

گئی کہ جب مشہور احراری رہنما مظہر علی اظہر نے زندگی میں پہلی مرتبہ ایک شعر کہا جو کافی مشہور ہوا۔ ۵

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائداعظم ہے کہ کافرِ اعظم !

تو مولانا نے جھٹ اس کی تائید کر دی۔ حالانکہ قائداعظم کی بیوی نے باقاعدہ اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن مظہر علی کے ساتھ ساتھ حسین احمد مدنی کو بھی اصرار تھا۔ کہ وہ "کافرہ" تھی۔ اور خود کانگرس کے اندر جن زعماء نے سول میرج کر کے غیر مسلم بیویوں کو زینت پہلو بنا رکھا تھا، مثلاً ڈاکٹر خان صاحب، مسٹر آصف علی، مسٹر ہمایوں کبیر وغیرہ۔ ان کے خلاف حسین احمد مدنی اور ان کے ساتھی علمائے دین بالکل خاموش تھے، بلکہ الیکشن میں انہیں کامیاب بنانے کے لئے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ ٦

حسین احمد مدنی نے دو قومی نظریہ کی ڈٹ کر مخالفت کی اور متحدہ ہندوستان کی حمایت میں یوں گوہر افشانی فرمائی :۔

"ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی سب شامل ہیں حاصل کرنے کے لئے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہیئے۔ ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے اور اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔"

اس فتوٰے کے لئے مولانا جواز کیا لاتے ہیں۔ وہ بھی ملاحظہ فرمایئے

"آپ روزانہ مسجدیں غیر مسلم انجنیئر سے بنواتے ہیں، غیر مسلم ڈاکٹروں سے علاج کرواتے ہیں، سینکڑوں کام روزمرّہ غیر مسلموں سے کراتے ہیں، کیا یہ سب ناجائز ہیں۔" ۷

---

٦ آزادی ہند از رئیس احمد جعفری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۴۶، ۱۵۱ ۷ تاریخ نظریہ پاکستان از پیام شاہجہانپوری، لاہور ۱۹۷۰ء ص ۳۵۱

شاید اسی صورت حال کے پیش نظر ظفر علی خاں نے کہا تھا ۵

رسول اللہ کے گھر میں یہ کیسا انقلاب آیا
کہ گاندھی جی کٹیا "عالمانِ دیں" کا ڈیرا ہے
خدا ہی جانتا ہے حشر اس ٹولی کا کیا ہوگا
حرم سے جس کی بدبختی نے رُخ ملت کا پھیرا ہے ۸

ہندو نوازی حسین احمد مدنی کو قائد اعظم، مسلم لیگ اور مسلم لیگ کے حمائتی مسلمانوں سے سو فیصد نفرت تھی لیکن ہندوؤں کے لئے دیدہ و دل فرش راہ تھا۔ ان کی خدمت کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ جن کاموں کے وہ مکلّف نہیں تھے۔ ہندوؤں کی خاطر وہ بھی کر دیتے تھے۔ احمد علی دیوبندی لاہوری روائیت کرتے ہیں۔ کہ جب مولوی مدنی آخری حج سے تشریف لارہے تھے تو ہم اسٹیشن پر شرف زیارت کے لئے گئے۔ حضرت کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ، دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جن کو ضرورتِ فراغت لاحق ہوئی۔ وہ رفع حاجت کے لئے گئے اور الٹے پاؤں بادلِ نخواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مولانا مدنی سمجھ گئے۔ فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر پاخانہ میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا۔ اور ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے پاخانہ تو بالکل صاف ہے۔ نوجوان نے کہا کہ مولانا میں نے دیکھا ہے۔ پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا۔ بہت متاثر ہوا اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا۔ یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو مجھ سے باہر ہے"۔ ۹

---

۸ تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء از چوہدری حبیب احمد لاہور ۱۹۶۶ء ص ۲۲۰

۹ بیس بڑے مسلمان ص ۵۱۴ تا ۵۱۵

اب ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ مسلمانوں سے تو نفرت اور ہندوؤں کیلئے پاخانہ تک کی صفائی۔ یہ معاملہ کیا ہے؟ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

ہندو کانگرس کے ساتھ مولوی مدنی کے تعلقات اور ربط وضبط کے متعلق جناب عبداللطیف سیٹھی نے بڑی خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اسے بغور پڑھیں اور مولوی مدنی کی فہم وفراست کا ماتم کریں۔ جناب سیٹھی لکھتے ہیں کہ "جہاں تک انگریز کی مخالفت کا تعلق تھا مولانا صحیح تھے لیکن جہاں تک انگریزوں کے ہندوستان چھوڑ دینے کے بعد حالات میں مسلمانوں کی پوزیشن کا تعلق ہے وہ اس مسئلہ کو ملتوی رکھنا چاہتے تھے کہ آزادی کے بعد ہندوؤں سے معاملہ کر لیا جائے گا۔ لیکن یہاں حضرت مولانا نے سخت ٹھوکر کھائی اور مرد مومن کی فراست کا مظاہرہ نہ کر سکے۔ اور ناکام ہو گئے، کانگرس اسوقت ہندوؤں کے فراہم کئے ہوئے سرمایہ سے بلکہ چندہ سے چلتی تھی۔ بڑے بڑے ہندو اور غیر مسلم تاجر۔ برلا ٹاٹا۔ ڈالمیا وغیرہ بھاری رقوم کا چندہ دیتے تھے۔

حق نمک۔ کانگرس کے فنڈز سے کانگرس کے ساتھ ملحقہ سیاسی جماعتوں کو بھی روپیہ دیا جاتا تھا۔ اور اسی فنڈ سے مولانا مدنی کو، جمعیت علماء ہند کو اور ان کے اخبار "الجمعیت" کو مالی اعانت دی جاتی تھی۔ جب سیاسی تحریکات چلتی تھیں تو کانگریسی لیڈروں کے سفر وحضر کا خرچہ بھی انہیں فنڈز سے چلتا تھا۔ جب لیڈر قید ہو جاتے تھے تو اسی فنڈ سے روپیہ سیاسی قیدیوں کے گھروں میں پہنچایا جاتا تھا تاکہ تالیف قلوب بھی ہوتی رہے اور گھر والوں کے نان ونفقہ کا بھی بندوبست ہوتا رہے۔ نہرو کو چھوڑ کر باقی دوسرے چوٹی کے لیڈر مثلاً راجندر بابو، پٹیل، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، غفار خاں نے اپنی زندگیاں کانگرس کے لئے وقف کر رکھی تھیں۔ اور خاص طور پر مولانا آزاد اور مولانا مدنی کا کوئی اپنا کاروبار یا روزگار نہ تھا۔ اور ان کی

سوچ یہ تھی کہ جسطرح ایک بڑی سیاسی جماعت دوسری ملحقہ سیاسی جماعتوں کے ورکرز کو خرچہ وغیرہ دیتی ہے۔ اسی طرح ان مسلمان لیڈروں اور ان کی جماعتوں کو بھی کانگرس مالی امداد فراہم کرتی ہے جو ان کے خیال میں شرعاً ناجائز نہیں تھا۔ مولانا احمد علی لاہوری کا اس بارے میں استدلال یہی تھا جو انہوں نے ایک دفعہ ایک سوال کے جواب میں ملک محمد لطیف اسٹیشن ماسٹر لاہور اور شیخ محمد عبداللہ سابق ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ انڈسٹریز لاہور کو ان کے دریافت کرنے پر خود بتایا تھا۔ جواباً ان دونوں نے اسی وقت یہ کہدیا کہ مولانا! یہ لوگ آپ کو رشوت دیتے ہیں تھے۔ کچھ بھی ہو دیکھنا یہ ہے کہ کانگریس کا یہ روپیہ جن ذرائع سے آتا تھا۔ وہ کیا تھے؟ بلا مبالغہ ۹۹ فیصدی رقم ہندوؤں کی طرف سے آتی تھی جو خالصاً سود در سود سے حاصل ہوتی تھی یا ہندو ساہوکار مسلمانوں کو سودی قرضے دیکر وصول پاتے تھے۔ یعنی خاص اسلامی شرعی نقطہ نظر سے یہ روپیہ حرام کی کمائی سے حاصل ہوتا تھا اور پھر یہی روپیہ مسلمان لیڈروں بشمول مولانا حسین احمد مدنی کو بھی ملتا تھا۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ اس بات کی تصدیق کہیں بھی نہیں ہوئی کہ مولانا کانگرس سے روپیہ نہیں لیتے تھے اور ان کے گھر کا خرچہ کسی کاروباری دھندے وغیرہ سے چلتا تھا۔ اسی طرح خدائی خدمتگار (عبدالغفار خاں) احرار، انجمن خدام الدین لاہور وغیرہ کو بھی ہندو کانگرس کے "برلا فنڈ" سے سرمایہ فراہم ہوتا تھا جو سودی رقم سے اکٹھا ہوتا تھا۔ علمائے کرام نے تو ہمیں یہی بتایا ہوا ہے کہ جس آدمی کے پیٹ میں حرام کا مال جائے گا وہ ولی نہیں ہو سکتا ہمیں ان علماء نے یہ حدیث شریف بھی سنائی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے پیٹ میں حرام کی روٹی جائے اس کی دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ "برلا فنڈ" سے حصہ پاتے ہیں اور ہندو کی کمائی کا سب سے بڑا ذریعہ سود در سود ہوتا ہے

جو اسلام میں حرام ہے۔ سیاست دین اسلام سے علیحدہ نہیں ہوتی اس لیئے اسے صرف سیاست کا ظرجبہ سمجھ کر فقہ مار لینا اس معاملہ میں درست نہیں ہو سکتا۔ ۱۰ھ

دراصل کانگریسی مولویوں کو حرام مال کھانے کا چسکا پڑ گیا تھا اور وہ ہندوؤں کے اکثر و بیشتر مہمان بنے رہتے تھے اور اسے باعث عزت سمجھتے تھے۔

حبیب الرحمٰن لدھیانوی احراری کے صاحبزادے عزیز الرحمٰن جامعی اپنی کتاب "رئیس الاحرار حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور ہندوستان کی جنگ" مطبوعہ ۱۹۴۱ء میں عطاءاللہ شاہ بخاری کا ذکر خیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

"پنڈت موتی لال نہرو، سید عطاءاللہ شاہ بخاری کی سحر بیانی کے عاشق تھے انہیں کے پروگرام کے مطابق شاہ صاحب کام کر رہے تھے۔ الہ آباد میں جب شاہ صاحب پنڈت موتی لعل جی یہاں پہنچے تو پنڈت موتی لعل جی نے خود شاہ صاحب کے کھانے کا بندوبست کیا اور اپنے ہاتھ سے دونوں وقت کی چائے بنا کر پلائی۔" ۱۱ھ

۱۹۴۵ء میں داؤد غزنوی بطور صدر کانگریس صوبہ پنجاب جھنگ تشریف لے گئے تو ان کا کھانا پینا نماز اور عبادت سب لالہ کشوری لال وکیل کے ہاں تھی۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ ہندو تو ہمارے ساتھ کھانا پینا حرام سمجھتے ہیں آپ ان کے ہاتھوں سے وضو اور ان کی چٹائی پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے ارشاد فرمایا۔ کہ "اسلام میں تو اس کی مناہی نہیں ہے۔" ۱۲ھ

کانگریسی روپیہ اور دسترخوان نے ان مولویوں پر ایسا جادو کیا کہ ۱۹۴۵ء

۱۰ھ ۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور بابت ۱۲ر نومبر ۱۹۸۳ء ص ۱۱

۱۱ھ ۔ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ص ۹۶ ۹۷

۱۲ھ ۔ مشکلات لا الٰہ از شیخ محمد سعید ایڈووکیٹ مطبوعہ جھنگ ۱۹۸۱ء ص ۱۰۸

میں ہی داؤد غزنوی نے عید الفطر کی نماز منٹو پارک (اب اقبال پارک) کے خطبہ میں قائد اعظم پر حملے شروع کر دیئے جس پر نماز کے اجتماع میں SHAME SHAME کے نعرے لگنے شروع ہو گئے اور مسلم لیگی اور کانگریسی احراری کارکنوں میں لڑائی شروع ہو گئی ایک نوجوان نے اینٹ پکڑ کر مولانا کی طرف زور سے پھینکی مگر ایک شخص نے اینٹ کا وار روک لیا۔ اس گڑبڑ کے دوران کئی ہندو اور سکھ سڑک پر کھڑے نماز عید کا حشر دیکھتے رہے۔ خطبہ تو ہنگامے کی نذر ہو گیا۔ لیکن مسلمان نوجوانوں نے قائد اعظم کی ہتک برداشت نہ کی۔ ؎۱۳

اب ہم پھر واپس حسین احمد مدنی کے ذکر خیر کی طرف آتے ہیں اور روزنامہ "نوائے وقت" لاہور مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۴۴ء کا اداریہ نقل کرتے ہیں۔ جو خاصے کی چیز ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

حسین احمد مدنی سوادِ اعظم سے کٹ گئے

"حضرت حسین احمد مدنی صدر جمعیت علمائے ہند ایک باعمل عالم ہیں حضرت شیخ الہند سے اور دار العلوم دیوبند سے تعلق کی وجہ سے ہندوستان کے علماء میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ مولانا ایسی ہستی جن کا وجود اس دور میں مسلمانوں کے لئے باعث رحمت ہونا چاہیے تھا۔ اغیار فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ گذشتہ پچیس (۲۵) برس سے حضرت مولانا ہندوستان کی مسلمان سیاسیات میں نمایاں اور سرگرم حصہ لے رہے ہیں

؎۱۳ مجلہ "مرغزار" قائد اعظم نمبر ۱۹۷۶ء گورنمنٹ کالج شیخوپورہ ص ۱۹۵۔ مضمون پروفیسر خالد مسعود قریشی۔

اور انہوں نے —— ملّت اور وطن کے استقلال کیلئے بڑی مصیبتیں اٹھائیں اور قربانیاں دیں لیکن چھ سات برس سے وہ سواد اعظم سے کٹ گئے ہیں اور ان کی سرگرمیوں سے (ان کے منشا ہونے کے باوجود) ملّت اسلامیہ کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

مولانا حسین احمد حال ہی میں جیل سے رہا ہوئے ہیں۔ ہمیں توقع تھی کہ جیل سے باہر آکر وہ بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لیں گے۔ اور اپنے تجربہ اور علم و بصیرت سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن آسام میں ان کی ایک دو تقریریں پڑھ کر بہت صدمہ ہوا۔ آج ان کا ایک انٹرویو دیکھا ہے جو انہوں نے الہ آباد میں کسی اخباری نمائندہ کو دیا۔ اس انٹرویو میں مولانا کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے گئے ہیں۔ کہ " جمعیت العلماء کی ورکنگ کمیٹی نے اس تجویز پر غور کیا ہے کہ فرقہ وارانہ سمجھوتہ کیلئے قوم پرست مسلمانوں کو منظم کیا جائے ہمیں یقین ہے کہ مسلم لیگ کی پالیسی ہندوستان اور مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہے ان حالات میں مسلم لیگ سے ہمارا کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔"

حضرت مولانا کا آخری فقرہ تعجب انگیز بھی ہے اور رنجیدہ بھی۔ " قوم پرست مسلمانوں " کی تنظیم سے مراد اگر اسی قسم کی کوشش ہے جو مسٹر الٰہی بخش مرحوم اور مولوی فضل الحق بارہا کر چکے ہیں اور اب خواجہ عبدالمجید اور خان بہادر جان محمد کر رہے ہیں، تو اس کا انجام ظاہر ہے۔ آزاد بورڈ اور آزاد " مجلسوں " کا حشر حضرت مولانا کو معلوم ہی ہے۔ وہ خان بہادر الٰہی بخش مولوی فضل الحق اور خواجہ عبدالمجید کی طرح سیاسی طالع آزما نہیں اور یہ سیاسی ڈھونگ اور ہتھکنڈے اُن کی شان کے خلاف ہیں۔

لیکن اگر ان کے ارشاد کا مطلب مسلم رابطۂ عوام کی تحریک ہے جو آج کل خداوندانِ کانگرس کے زیر غور ہے تو مولانا کا منصب اس سے بہت بلند ہے کہ وہ خود اور ان کے رفقار کار علمائے کرام کانگریس کے ہمہ پرزداں کی حیثیت سے مسلمانوں کی تنظیم میں رخنہ اندازی کریں۔ حضرت مولانا کا یہ ارشاد ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ "مسلم لیگ سے ہمارا کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔" آخر مسلم لیگ سے ان کا سمجھوتہ ناممکن کیوں ہے ؟ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اور اس سے حضرت مولانا کو بھی انکار نہیں کہ مسلمانوں کی غالب اکثریت مسلم لیگ سے وابستہ ہے۔ مولانا مسلمانوں کے بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کا فرض دعوت الی الحق ہے۔

فرض کیجیئے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ اکثریت گمراہ ہے تو اس کی ہدایت و رہنمائی ان کا فرض ہے یا انہیں مایوس ہو کر ان مسلمانوں کا خیال چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر مولانا آخری راستہ اختیار فرمائیں تو یقیناً وہ قیامت کے دن خدا اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ مسلم لیگ اور مسلمانوں کو اس کی ضرورت نہیں کہ مولانا اور جمعیت کے دوسرے علمار کروڑوں لیگی مسلمانوں کو ناقابل اصلاح سمجھ کر ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ کانگریس کے ساتھ مل کر اپنے زعم میں نیک نیتی کے ساتھ آزادی وطن کے خیال سے انہیں کانگریس کے حلقہ بگوش بنانیکی سعی فرمائیں —— مسلم لیگ اور مسلمانوں کو تو اس کی ضرورت ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور دوسرے علمار حضرت شیخ الہند کے مشن کو مکمل کریں۔

اس وقت ہندوستانی مسلمانوں کے مذہب اور سیاست میں

جو خلیج حائل ہو رہی ہے اسے پاٹنے کی کوشش کریں۔ ہماری سیاست کو اسلامی رنگ دیں۔ جو ہمارے سیاسی مطالبہ کو اسلامی مطالبہ بنائیں اور ہماری سیاسی زندگیوں کو اسلامی زندگیوں میں تبدیل کریں۔ لیگ کی پالیسی یا پروگرام میں وہ کونسا بنیادی نقص ہے جو حضرت مولانا اور علماء کو لیگ سے سمجھوتہ کرنے سے روکتا ہے۔ جب لیگ کامل آزادی کی بھی طلبگار نہ تھی اور اس کا مطمح نظر حکومت اور ہندوؤں سے مسلمانوں کے لئے کچھ مراعات منظور کرانا تھا اس وقت مولانا اور لیگ میں سمجھوتہ ہو سکتا تھا اور مولانا انہی مسٹر محمد علی جناح کی قیادت میں لیگ میں شامل تھے لیکن اب جب کہ لیگ وطن کے لئے کامل آزادی چاہتی ہے اور آج سے سات آٹھ سال پہلے کی طرح قرارداد پاس کرنے والے وکیلوں، بیرسٹروں اور نوابوں کی جماعت نہیں بلکہ عامۃ المسلمین کی جماعت ہے۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں۔ کہ لیگ سے ہمارا سمجھوتہ نہیں ہو سکتا"۔

العجب! ثم العجب!! لیگ کے نصب العین میں کونی برائی ہے؟ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہیں گے کہ مسلم لیگ کے بعض لیڈرز کی زندگی غیر اسلامی ہے ان کا فکر غیر اسلامی ہے وہ خود غرض ہیں نفس پرست ہیں۔ بجا ارشاد ہوا۔ مگر ایسے لوگ کس جماعت اور کس گروہ میں نہیں؟ گستاخی معاف کیا علماء کے گروہ میں غیر اسلامی زندگی بسر کرنے والے عالم نہیں؟ کیا علماء میں نفس پرست اور خود غرض نہیں؟ اور کیا کانگریس بے غرض اور بے نفس فرشتوں کا گروہ ہے؟ کیا کانگریس میں گاندھی نہرو، پٹیل اور پنت سبھی کی زندگیاں خالص اسلامی ہیں؟

کیا کانگریس کا فکر اسلامی ہے؟ کیا کانگریس کا نصب العین اسلامی ہے؟ کیا کانگریس کی پالیسی اسلامی ہے؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو حضرت مولانا ہی فرمائیں کانگریس کے غیر اسلامی ہونے کے باوجود اس کے غیر اسلامی نصب العین اور پالیسی کے باوجود اس کے ارکان کی ۹۹ فیصدی ہندویت کے باوجود حضرت مولانا اور جمعیت علمار کانگریس سے سمجھوتہ کر سکتے ہیں تو مسلم لیگ اور ان کروڑوں مسلمانوں کا جو لیگ سے وابستہ ہیں کیا قصور ہے کہ مولانا انہیں اپنی رہنمائی سے محروم کرنا چاہتے ہیں؟ کیا ان کا گناہ صرف یہی تو نہیں کہ وہ خام کار و غلط کار ہی نہیں بلکہ مسلمان بھی ہیں۔" ۱۲

لیجئے ایک اور اداریہ بھی پڑھ لیجئے تاکہ مولوی مدنی کے کردار کو سمجھنے میں مزید آسانی ہو سکے۔ یہ اداریہ بھی روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کا ہے جو ۱۴؍ اپریل ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں چھپا۔

"مولوی مدنی سے ایک ضروری استفسار"

"جناب حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیت علمائے ہند و نائب صدر یو پی کانگریس کمیٹی کا حال ہی میں ایک بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے جس پر مسلمان بہت افسوس ظاہر کر رہے ہیں۔ مولانا نے اپنے بیان میں اخبارات کی روایات کے مطابق مسٹر گاندھی کی دھلائی قومیت نسل و وطن کے نظریہ جداگانہ مسلم قومیت بر بنائے اسلام و اسلامیت کی مخالفت کا اعلان کیا ہے اور مسلم لیگ کی پالیسی اور نصب العین کو ملک کے لئے اور مسلمانوں کے لئے نقصان رساں بتایا ہے۔

مسلم لیگ کا نصب العین کیا ہے؟ مسلم لیگ کی پالیسی اور نصب العین

کیا ہے؟ دنیا اس سے واقف ہے کہ گاندھی جناح مذاکراتِ بمبئی اس مسئلہ پر ٹوٹ گئے کہ مسلم لیگ اس کی دعویدار ہے کہ دس کروڑ مسلمانانِ ہند اپنی جداگانہ شریعت اور ملت جداگانہ تہذیب و تمدن اور جداگانہ تاریخ و روایات۔ جداگانہ عقائد و اعمال، جداگانہ امیال و عواطف۔ جداگانہ سیاست و معیشت کی بنیاد اور ہر اعتبار سے ایک جداگانہ قوم اور مستقل نیشن ہیں اور بنابریں وہ برِاعظم ہند میں اپنی جداگانہ ملی و قومی اسٹیٹ اور اس کے کامل استقلال و آزادی کے طالب ہیں اور کسی حال میں وہ ہندو قوم کی تابعیت اور کسی آل انڈیا مرکز کی تابعداری و محکومی کسی شکل میں قبول نہیں کریں گے۔ البتہ ایک مستقل اسلامی قومیت و ریاست کی حیثیت سے ہندو قوم اور دوسری قوموں سے باہمی معاملات حقوق و تعلقات سے متعلق معاہدہ کرنے کو تیار ہیں۔ ہندو اکثریت کے ساتھ مخلوط و مدغم ہو کر نہ ایک قوم بن سکتے ہیں اور نہ اس کیلئے تیار ہیں۔

مسٹر گاندھی کا داعیہ اور نصب العین! اس کے برعکس مسٹر گاندھی نے مسلمان کی جداگانہ قومیت اور مستقل ملّی حیثیت ماننے سے انکار کیا۔ اور دعویٰ کیا کہ چونکہ مسلمانانِ ہند اصلاً و نسلاً ہندو جاتوں اور نسلوں سے تبدیلیٔ مذہب کے ذریعہ نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اس لئے وہ مذہباً مسلمان ہیں لیکن قومیتاً وہ اب بھی ہندو یا ہندوستانی ہیں۔ کیونکہ قومیت کا مدار دین و عقیدت نہیں ہے بلکہ بقول مسٹر گاندھی قومیت کا مدار وطنیت و نسلیت پر ہے بنابریں مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو ایک مستقل قوم ماننے اور مسلم ریاستوں اور صوبوں کے لئے کامل آزادی واستقلال و حاکمیت کا حق ماننے سے انکار کیا۔ اور ایک آل انڈیا فیڈرل

یا ارکان فیڈرل مرکز کے ماتحت رکھنا چاہا جس کے اندر ہندوؤں کی اکثریت اور دائمی غلبہ اور مسلمانوں کی محکومیت و مغلوبیت لازمی ہے۔

مسٹر جناح کا ہندو حاکمیت ماننے سے انکار! مسٹر جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے اس ہمہ گیر ہندو قومیت اور آل انڈیا ہندو حاکمیت کے اس باطل دعویٰ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور واضح کر دیا کہ ہندوستان کی تمام اقوام کی مساویانہ آزادی کی واحد عملی راہ یہ ہے کہ مسلمان ہند کی آزادی مان لیں اور ہندو پاکستان کی آزادی مان لیں۔ اور پھر دونوں اقوام مل کر برطانیہ اور دنیا سے اپنی آزادی تسلیم کرائیں۔ وصف دوستی قائم کر کے دو آزاد اور مختلف سلطنتوں اور ہمسایہ طاقتوں کی حیثیت سے باہم معاہدہ کر لیں۔ اس طرح اور صرف اسی طرح نہ صرف دو بڑی ہندی قوموں کی آزادی کا مسئلہ خوش اسلوبی اور برابری کی بنیاد پر حل ہوگا۔ بلکہ تمام اقوام ہند کو اصلی آزادی اور داخلی و خارجی غلامیوں اور ظلمتوں کا خاتمہ ہوگا۔

مولانا حسین احمد سے سوال

اب میں مولانا حسین احمد سے دریافت کرتا ہوں۔ کہ وہ کس طرح مسلم لیگ کی پالیسی کو ملک اور ملت کے لئے نقصان رساں بتا رہے ہیں۔ کیا مسٹر گاندھی کے نظریۂ قومیت نسلی کا انکار کرنا اور ہندو نسلوں سے نکل کر دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے دس کروڑ ہندی الاصل مسلمانوں کو بر بنائے ملتِ اسلام ایک مسلم قوم بنانا خلافِ واقعہ خلافِ اصل اور خلافِ مفادِ ملت ہے۔ کیا مسلمانوں کا مفاد یہی ہے کہ مسلمان کفر و جاہلیت کی بنا قومیت اور وجہ جامعیت کے سامنے سپر انداز ہو جائیں اور دین و ایمان

اور قبلہ و رسالت محمدی کے اساس پر ایک عالمگیر قومیت بنانے کے قرآنی نصب العین سے دست بردار ہو جائیں۔

خدارا مولانا بتائیں کہ آخر مفادِ اسلام کیا ہے اور لیگ نے کسطرح اس کی مخالفت کی ہے کیا دس کروڑ کلمہ گویانِ اسلام کی گردنوں کو بدترین کافروں اور مشرکوں کے ہاتھوں میں آنکھ بند کرکے دے دینا مفادِ اسلام ہے یا ان دس کروڑ کلمہ گویانِ اسلام کیلئے آزادی استقلال اور حاکمیت وسلطنت حاصل کرنا مفادِ اسلام ہے۔

غیر آریہ قوموں کی ہندوؤں سے علیحدگی و آزادی! جب آریہ ہندو اچھوتوں۔ دراوڑوں اور غیر برہمنوں کو جنہیں وہ مردم شماری کے لئے ہندو گناتے اور بتاتے ہیں۔ ان کو بھائی نہ بنا سکے اور ان کو ملا کر ایک قوم نہ بنا سکے۔ تو پھر وہ اہل اسلام کو کسطرح اپنا بھائی اور ایک قوم بنا سکتے ہیں۔

جب خود یہ ہندو اقوام آریہ برہمنہ سے علیحدگی و آزادی کے طالب ہیں تو پھر مسلمان کس طرح ان سرمایہ دار اونچ نیچ جاتوں سے مل کر اپنی اور ملک کی آزادی حاصل کر سکتے ہیں؟ خیر اس مسئلہ پر تو پھر بحث ہوگی میں فی الحال مولانا محترم کی توجہ عالی مسٹر گاندھی کے ان دو تازہ بیانات و اعمال کی طرف مبذول کراتا ہوں اور مسٹر گاندھی کی ان دو تازہ حرکتوں کے متعلق مولانا سے بحیثیت مسلمان عالم دین فتویٰ پوچھتا ہوں کہ وہ کیا فرماتے ہیں مسٹر گاندھی توہین رسولؐ کی تائید میں ستیاگرہ جاری کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ھو ھذا۔ اولاً یہ کہ مسٹر گاندھی کے پرائیویٹ سیکریٹری مسٹر پیارے لال اور پھر مسٹر جی ایس گپتا صدر سی پی اسمبلی۔ صدر آریہ پرتی ندھی سبھا

اور آخر میں خود مسٹر گاندھی نے یہ حقیقت یو۔پی کے ایک ہندو کانگریسی کے جواب میں ظاہر کر دی ہے کہ مسٹر گاندھی نے "ستیارتھ پرکاش" کے چودھویں باب کی مسلم لیگی حکومت سندھ کے حکم سے ضبطی و بندش کے آرڈر کے خلاف کانگرس والونکو ستیاگرہ کرنے اور رسول نافرمانی کی مہم جاری کرنے کی اجازت دی ہے۔

مولانا حسین احمد صاحب اس حقیقت سے بھی باخبر ہوں گے۔

پچاس علماء دہلی نے جس میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سابق صدر جمعیت علمائے ہند و مولانا عبدالحلیم صدیقی سیکریٹری جمعیت علماء ہند اور مولانا مظہر اللہ صاحب شامل ہیں یہ فتویٰ دیا ہے کہ آریہ سماجی کتاب "ستیارتھ پرکاش" کے تیرھویں اور چودھویں باب میں رسول مقبول حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام کے خلاف فحش اور دل آزار ناقابل بیان گالیاں دی گئی ہیں اور انبیاء کرام کی سخت ترین توہین کی گئی ہے۔ بنابریں مسلمان پر واجب ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی حفاظت کے لئے ان گندہ غلیظ اور منافرت انگیز باتوں کو قانوناً ضبط کرانے کی کوشش کرے۔

کیا توہینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آزادی قائم کرنے کیلئے ستیہ گرہ کریں گے

اب مولوی حسین احمد مدنی شیخ الاعظم دیوبند سے فتویٰ پوچھنا ہے کہ وہ کس فتویٰ کو مانتے ہیں۔ آیا بحیثیت نائب صدر یو پی کانگریس مولانا مسٹر گاندھی مہاتما کے کانگریس کے فتویٰ کی پیروی کریں گے اور

سندھ کی حکومت کے آرڈر کے خلاف ستیاہ گرہ اور مقدس جہاد فرمائیں گے تاکہ توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے کی آزادی اور توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والی کتاب آزادی اور کثرت سے خوب شائع ہو اور گلی کوچوں میں ہر کانگریسی ان توہین آمیز آریہ سماجی گالیوں کو دہراتا پھرے اور مولانا حسین احمد اور ان کے طلباء اساتذہ دیوبند اس جہاد میں پیش پیش ہوں؟ یا وہ بحیثیت صدر جمعیت العلماء ہند و شیخ الاعظم دیوبند پچاس علماء دہلی کے اور ستیارتھ پرکاش کی ضبطی کیلئے آل انڈیا مسلم لیگ —— سندھ مسلم لیگ اور وزارت سندھ مسلم لیگ نے جو نیک اقدام کیا ہے اس کی تائید فرمائیں گے۔ آیا مولانا کس کے فتویٰ کو مانتے ہیں۔ مسٹر گاندھی کے فتویٰ کو جو توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آزادی مانگتا اور توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عام اجازت و اشاعت کا حکم دیتا ہے یا فتویٰ مفتی کفایت اللہ کو مانتے ہیں جو توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بندش و قانونی ضبطی کا مطالبہ کرتا ہے اور حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کیلئے مسلمانوں کو جدوجہد کا حکم دیتا ہے

کیا مولانا کی خدمتِ اسلام کا طریقہ یہی ہے

اگر مولانا اس فتویٰ علمائے دہلی کو مانتے ہیں جس پر بلاشبہ تمام علمائے ہند کا اتفاق ہے تو سوال ہے کہ مولانا نے علمائے دہلی کے فتویٰ اور مسلم قوم کے مطالبہ متفقہ کو جو ستیارتھ پرکاش سے متعلق ہے منوانے اور جاری کرنے کے لئے کیا عمل کیا ہے؟ کیا وہ بدترین اور غلیظ ترین اور فحش توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عزت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ اہم

اعظم نہیں ہے تو پھر اس آسمان کے نیچے اور کون سا اہم مسئلہ ہے۔
کیا اس سے بے خبر ہیں کہ اس دُشنام بازی توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال پر اسلامی اندلس میں بڑی بڑی خونریزیاں اور جنگیں ہو ہو چکی ہیں۔ کیا اسلام کے مفاد کی بہترین خدمت کا بس یہی طریقہ ہے کہ مولانا جیسی ہستی اسلامی جماعت کی طاقت کو مضبوط و مستحکم کرنے کی جو کوشش کی گئی وہ مسٹر گاندھی جیسے تنگ نظر، کور باطن ستاتن ہنود کے ہاتھوں کو مضبوط کرنے میں مصروف ہیں۔ جو سرور کائنات فخر موجودات سید المرسلین ختمیت مآب علیہ السلام کے خلاف گندہ ترین گالیوں، دشنام طرازیوں کی مہموں کو جاری کرنے کی بحیثیت کانگریسی لیڈر اجازت و برکت دیتے ہیں اور اسطرح ہندوستان کی اقوام میں بدترین منافرت وعداوت کے بیج بوتے ہیں؟ کیا کانگریس میں رہ کر مولانا کا اس مسئلہ میں چپ رہنا مناسب ہے؟

متحدہ قومیت کے شجر خبیثہ کا پہلا پھل

حسین احمد کے

ملاپ اور ان کی متحدہ قومیت کے شجر ممنوعہ کا پہلا پھل یہی ہے کہ مسٹر گاندھی تو مقدس پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے دشنام نامہ و توہین نامہ کی عام اشاعت کی تحریک کو جاری کرنے کے لئے عملاً و قولاً برکت دیں اور ہمت افزائی کریں اور قاسم العلوم والخیرات شیخ العلوم دیوبند کے شیخ اعظم یوپی کانگریس کی نائب صدارت قبول کر کے چپ کا روزہ رکھ لیں اور مسلمانوں کو کانگریسی ہندوانانیت کی اندھی تقلید اور غیر مشروط بیعت کا حکم دیں۔

بلا شرط و معاہدہ اِس کنٹیکٹ کے معنی بیعت گاندھویت ہے

آخر بلا معاہدہ و بلا شرط کانگریس میں شرکت اور اس کنٹیکٹ کا مطلب بیعت گاندھی کے سوا اور کیا ہے۔ اس کنٹیکٹ کے معنی مسلمانوں کی ملی اجتماعیت کی تحلیل اور قومی فردیت کی تردید اور ان کے افراد کو فرداً فرداً کانگریسی قومیت و سیاست میں انضمام و ادغام ہیں اور افسوس ہے کہ مولانا عملاً اس کی حمایت کر رہے ہیں اور اس کو دین و ملت کا مفاد بتا رہے ہیں۔

آج یہ ہے کل کیا ہوگا؟

آج تو یہ ہے کل متحدہ قومیت اور آل انڈیا مرکزی ہندو راج کے قیام و استحکام کے بعد کیا ہوگا؟ یقیناً یہی اندلس اور اسپین کی طرح تمام دیوبند جیسے مدرسوں کو ناچ گھر بنایا جائیگا۔ قرآن و عربی کی تعلیم فرقہ وارانہ جرم قرار دیا جائیگا۔ اور اللہ رسولؐ کا نام لینے والوں کو باغی گردان کر ذبح کر دیا جائے گا۔ مانیں یا نہ مانیں مولانا قوم کو اس طرف ہانک کر لے جانا چاہتے ہیں اور ان کی پالیسی کا یہی نتیجہ ہوگا۔

مسٹر گاندھی نے حال میں حسب عادت ایک ذو معنی بیان دیا ہے جس میں ایک طرف ستیارتھ پرکاش کے باب تیرہ و چودہ کے حذف کرنے کی آریہ سماج کو ہدایت دی ہے اور ساتھ ہی دو بابوں کی ضبطی کی بھی مخالفت کی ہے اور حکومت سندھ کے آرڈر کو جس میں ان دشنام ناموں کی اشاعت کو سندھ میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ غلط اور قابل تردید آرڈر قرار دیا ہے اس میں سابقہ اعتراض بحال اور سابقہ سوال برقرار رہتا ہے۔ متحدہ قومیت کے داعی اور ہندو مسلم اتحاد کے حامی کانگریس کے مہاتما کا فرض تو یہ تھا

کہ وہ خود ان باتوں کی قطعی ضبطی اور بندش اشاعت کا مطالبہ کرتے کیونکہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ منافرت، جنگ و جدل، فسادات اور قتل و خون کی ہزاروں واردات کا اصلی و بنیادی سبب یہ ابواب ہیں جنہوں نے اسلام دشمنی، قرآن دشمنی، مسلم دشمنی اور رسول دشمنی کی آگ لگائی ہے جو گزشتہ ایک ہزار سال میں کسی دوسری کتاب و تحریک سے اس ملک میں کبھی نہ لگی تھی۔ لیکن کانگریس کا مہاتما ان بابوں کو منافرت انگیز، غلط، مایوس کن اور گمراہ قرار دینے کے باوجود ان کی ضبطی و بندش کے خلاف بیان دیتا ہے عملاً آریہ پرتی ندھی سبھا اور آریہ لیگ تحریک کی تائید کرتا ہے۔ جیسا کہ مسٹر گھنشیام سنگھ گپتا صدر آریہ لیگ و سپیکر سی پی اسمبلی جیسے کانگریسی لیڈر نے مسٹر گاندھی کے بیان کی اشاعت کے بعد تشریح کی ہے۔ مسٹر گاندھی اس قسم کی دوطرفی چال چلنے کے پرانے پینترا باز ہیں لیکن افسوس کہ مولانا حسین احمد صاحب کی آنکھ بند ہے اور حقیقت کو حقیقت کی نظر سے دیکھنا نہیں چاہتے۔" [۱۵]

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کے حقیقت افروز اور باطل سوز اداریے آپ نے ملاحظہ فرمائے تو لگے ہاتھوں بہاولپور ڈویژن کے مشہور مسلم لیگی میرزا حسین کا ایک تاریخی خط بنام مولانا حسین احمد مدنی جو روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کی اشاعت ۱۶ راگست ۱۹۴۶ء میں چھپا تھا پڑھ لیجیے اور مولانا مدنی کے صحیح خدوخال سے آگاہ ہو جائیے:-

" حضرت مولانا۔ السلام علیکم۔ مزاج مبارک

دو ایک روز سے پنڈت جواہر لال نہرو کی آپ بیتی "میری کہانی"

---

۱۵ تحریک پاکستان اور نیشلسٹ علماء ص ۶۸، تا ۷۵

زیرِ نظر ہے۔ فرماتے ہیں۔

۱۔ مسلم قوم کا تخیل صرف چند لوگوں کی من گھڑت اور محض پروازِ خیال ہے۔

۲۔ اسلامی تمدن کے سمجھنے کی میں نے بڑی کوشش کی۔ لیکن میں تسلیم کرتا ہوں۔ کہ میں اس میں کامیاب نہیں ہوا۔

۳۔ گناہ اور غضبِ الٰہی کی اہمیت ہم کو چند صدی پیچھے دھکیل دیتی ہے۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم تسلیم نہیں کرتے، مسلمانوں کے تمدن کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔ گناہ اور غضبِ الٰہی تو ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ ہم پنڈت جی سے اس قسم کے خیالات کی توقع رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ جناب الیا قال اللہ و قال الرسول کا درس دینے والا عالم بے بدل اپنی عمرِ عزیز کا ایک بہترین حصہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے کٹ کر ہندو کانگریس کی خدمت میں صرف کر دے۔ لیکن پنڈت نہرو کو خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل کرنا تو درکنار یہ تو ایک بڑے مرتبے کی چیز ہے۔ انہیں مسلمانوں کے تہذیب و تمدن سے بھی روشناس نہ کرا سکے اور ان سے یہ بھی نہ منوا سکے کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ تو کیا میں یہ دریافت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ آخر ہندوؤں سے اشتراکِ عمل سے جناب کا مقصد آخر ہے کیا —— صرف مسلم کاز کو نقصان پہنچانا یا کچھ اور بھی؟

زمیں کیا آسماں بھی تیری کج بینی پہ روتا ہے
غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

پنڈت نہرو کی تحریر کے بموجب ہندو کانگریس میں آپ صاحبان کا وجود ہمیشہ مسلمانوں کے لئے مضرت رساں اور نقصان دہ رہا ہے۔

فرماتے ہیں۔

"بارہا گاندھی جی فرقہ پرستوں کے بعض مطالبات اپنی مرضی کے خلاف منظور کرنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن ان کے رفقائے کار یعنی قوم پرور مسلم لیڈروں نے انہیں روکا اور بڑی سعی سے مخالفت کی۔"

مولانا! پنڈت جی کی یہ سند بڑے کام کی چیز ہے اور ان کی آپ بیتی "میری کہانی" حصہ دوم کے صفحہ ۲۲۷ پر موجود ہے۔ اس کو سنبھال کر رکھیے۔ باپو (گاندھی) کے دربار میں بڑی قیمت پائے گی۔ کانگریس کے ماضی و حال پکار پکار کر چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر کہہ رہے ہیں۔ کہ مسلمانو! تمہاری بھلائی اور عاقبت اندیشی اسی میں ہے کہ جتنی جلدی ہو سکے اس ہندو جماعت سے اپنا دامن چھڑا لو۔ مولانا! معاف فرمائیے گا۔ دس کروڑ مسلمانوں سے کٹ کر ہندوؤں کی آغوش میں پناہ لینا آپ ایسے جید اور متبحر عالم کی شایان شان نہیں آپ کی شرکتِ کانگریس سے مسلمانوں کے حقوق محفوظ ہونے سے رہے اور مسلمانوں کو ان سے کوئی فائدہ پہنچنے سے رہا۔ ہاں ان صاحبان کی صحبت طالح کا اثر جناب نے خوب قبول کیا ہے چنانچہ جناب کے قول و عمل میں، معاف فرمایئے گا مہاسبھائی تعصب کی جھلک خوب نمایاں اور روز افزوں ہے اور سابق راشٹرپتی "آزاد" (ابوالکلام آزاد) کا تو رونا ہی کیا وہ تو سراسر "گنگا جمنی" بن چکے ہیں۔ جناب کی شرکت کانگریس سے ہندو قوم کو جو بے بہا فائدے پہنچے ہیں ان کا انکار اور اس کے ساتھ ہی جو نقصان عظیم مسلمانوں کو پہنچا ہے اس کا اقرار نہ کرنا کفر ہے۔ مسلمانوں کی آنکھیں خون کے آنسو رو دیتی ہیں۔ جبکہ وہ دیکھتی ہیں کہ آپ ایسی عظیم المرتبت ہستی اغیار کے جال میں

کس بُری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ سُنا گیا ہے یقیناً غلط ہوگا کہ سال میں آٹھ نو ماہ درس حدیث چھوڑ کر جناب ہندو کانگریس کے مشاغل میں مصروف رہنے کے باوجود تین چار ماہ میں ایک سال کا کورس پورا فرما دیتے ہیں اور دارالعلوم کے بیت المال سے تنخواہ پورے سال کی وصول ہوتی ہے۔ آخر ایسا کون سا خیال ہے، ایسی کون سی کوشش ہے، ایسا کون سا مفاد ہے جس نے جناب کو ایک ہندو جماعت سے وابستہ کر رکھا ہے اور جو اس بات پر مصر ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کو نظرانداز کر کے اِن کے حقوق کو پامال کر کے اپنے ہر ممکن قول و عمل سے اپنی قوم کو نقصان پہنچایا جائے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ انگریز دشمنی کے باعث جناب ایسا کر رہے ہیں۔ لیکن یہ تو فرمائیے کہ گزشتہ انتخابات میں ازلی و ابدی ٹوڈی خضر حیات سے دیوبندی علمار کا ان کے حق میں گلے پھاڑ پھاڑ کر پروپیگنڈا کرنا بھی کیا انگریز دشمنی کا ہی کوئی حصہ تھا۔ مولانا! طلبائے دیوبند کے اس " وار دھائی جہاد " پر خلد آشیانی مولانا حبیب الرحمٰن کی روح لرز گئی ہوگی۔ انہوں نے تو ان طلبار کو عدم تعاون ایسی ہمہ گیر تحریک سے بھی الگ رکھا تھا اور جناب نے اس مسند شاہین پر قابض ہوتے ہی اس کو سرکار انگلشیہ کے فرزند دلبند خضر حیات کے حوالے کر دیا۔۔۔ محض لیگ دشمنی کی خاطر۔۔۔۔ اور پھر جو طلبار مسلم لیگ سے ہمدردی رکھتے تھے ان کو خوب نقصان پہنچائے اور طرح طرح سے ان کو ذلیل و خوار کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ امتحانوں میں کامیاب تھے۔ اُن کی سندیں تک روک لی گئیں۔ بے شک یہ لوگ اس قسم کی سزاوٴں کے مستحق ہیں کیونکہ ان کا جرم یہ کیا کم ہے کہ انہوں نے اپنے ایمان

کو رد پہلی مصلحتوں کے عوض ٹاٹاؤں اور برلاؤں کے حوالے کرنے سے انکار کر کے محمود غزنوی کی یاد کو تازہ کر دیا — مولانا — اب جب کہ دارالعلوم دیوبند کی وقعت دنیا کی نگاہوں میں پہلی سی نہیں رہی تو بھلا ان سندوں کو کون پوچھتا ہے جو کہ محض آپ صاحبان کی خوشنودی مزاج کا سرٹیفکیٹ بن کر رہ گئی ہیں۔ ان باغیان واردھا کو عبرتناک سزائیں دیجئے اور دلائیے تاکہ مستقبل کا راستہ صاف ہو جائے اور آئندہ کسی کو جرأت نہ ہو کہ وہ واردھا کے حضور سجدہ ریز ہونے سے انکار کر دے۔

اس حقیقت سے انکار کفر ہے کہ اس وقت مسلم لیگ انگریز دشمنی میں کانگریس سے پیچھے نہیں۔ ہاں نام و نمود، جھوٹے پراپیگنڈے اور سیٹوں کی خاطر سر پھوڑتے پھرنا اس کے مسلک کے خلاف ہے دنیا میں سب سے بڑا انگریز دشمن فقیر ایپی ہے۔ اس سلطان المجاہدین نے سالوں سے افرنگ کے خلاف جہاد کی مقدس تحریک شروع کر رکھی ہے۔ اور ہزاروں افغانوں کی قربانی دے چکا ہے۔ وہ مسلم لیگ کو ایک فعال اور انگریز دشمن جماعت سمجھ کر اپنی تائید و حمایت کا اعلان اس کے حق میں کرتا ہے۔ دیکھئے ہمارے سرکار پرستوں اور غرض کے بندوں نے قائداعظم کا اشارہ پاتے ہی اپنے فرنگی خطابات کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اب تک مسلم لیگ کی جنگ آئینی طور سے لڑی جا رہی تھی۔ لیکن اب جب کہ اس نے اسے خیر باد کہہ دیا ہے قائداعظم کے معمولی اشارے پر مولانا (جناب) مسلم لیگ کے نوزائیدہ بچوں سے لے کر مردان پیر تک حکومت کی جیل ابلتے دیکھیں گے۔

اور اگر مزید قربانی کی ضرورت ہوئی تو جناب مشاہدہ فرمائیں گے کہ شوق شہادت دلیران اسلام اور مجاہدین پاکستان کو کس طرح کشاں کشاں میدان کارزار میں لے جاتا ہے۔ مسلمان قوم اپنے محبوب قائد کے حکم کی منتظر ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کو مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اول تو یہ از سرتاپا غلط ہے، کذب ہے اور بہتان۔ کیونکہ مسلم لیگ میں مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی خلیفہ حضرت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، مولانا محمد نذیر صاحب عرشی خلیفہ مجاز حضرت الحاج مولانا ابوسعد احمد خاں خانقاہ سراجیہ مجددیہ کندیاں شریف، محمد شفیع صاحب دیوبندی، الحاج پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری حضرت الحاج مولانا محمد قطب الدین صاحب، حضرت الحاج مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی، حضرت الحاج پیر غلام محی الدین شاہ صاحب گولڑہ شریف، حضرت الحاج پیر صاحب مانکی شریف، حضرت پیر صاحب زیارت شریف اور حضرت الحاج پیر قمرالدین صاحب سیال شریف ایسی ہستیاں شامل ہیں۔ جمعیت العلمائے اسلام بھی اپنا رشتہ مسلم لیگ سے وابستہ کر چکی ہے۔

مسلم لیگ اسلام کے ناموس کی خاطر، اسلام کے نشو ونما کی خاطر اور اسلام کی بقا کی خاطر، انگریز اور ہندو سے برسرپیکار ہے۔ ہندوستان کا ہر جوان و پیر مسلمان آزاد پاکستان میں آزاد اسلامی حکومت کے پرچم لہرانے کے لیے بیتاب ہے اور منتظر ہے کہ آپ حضرات بھی اس کی رہنمائی فرمائیں۔ لیکن جب آپ صاحبان کو لطف ہی واردھا آشرم کے لنگوٹ بند مہاتما (گاندھی) کی صحبتوں میں آتا ہے، جب صاحب

ترجمان القرآن (مولانا ابوالکلام آزاد) اپنی نمازوں کو پیر سامبر متی کی پرابھنا دُن پر قربان کرتے نظر آئیں تو فرمایئے قصور کس کا ہے؟ اور اسلام کا دشمن کون ہے۔ حضرت علامہ عثمانی (مولانا شبیر احمد عثمانی) نے مسلم لیگ میں شرکت فرمائی تو مسلمانوں کے دل بلیوں اچھل پڑے۔ اور اُن کے جسم کے ایک ایک سوتے سے مسرّت و شادمانی کے فوارے جاری ہو گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے لے کر مجھ ایسے ناچیز مسلم لیگی نے حضرت مبلغ اسلام کو اپنے دلوں کی لامحدود گہرائیوں سے خوش آمدید کہی۔

اور اب جب

کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے جناب کو اپنی مجلس عاملہ تک سے چھانٹ دیا ہے۔ حضرت عثمانی نہ صرف مسلم لیگ کے ہر اجلاس میں گرجتے ہیں۔ بلکہ قائداعظم نے اُن کو آئین ساز اسمبلی کا رکن منتخب کرایا۔ تاکہ وہ وہاں جا کر دینی معاملات میں ان کی رہنمائی فرمائیں۔ مولانا ــــــ یہ ہے مسلم لیگ کی "لامذہبیت اور علماء بیزاری" کا عالم ــــــ مسلمانوں کے تشتت و افتراق کے مقابلہ میں ہندوؤں کا اتحاد و یگانگت جناب کے لئے مشعلِ راہ ہے ؎

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیح شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ

گزشتہ انتخابات میں جب کہ ہندوؤں کا مقابلہ کسی ہندو جماعت نے نہیں کیا۔ اس جماعت یا اس کے نمائشی صدر اور ان داتاؤں نے آپ صاحبان کو اپنے مسلمان بھائیوں کے پہلو میں خنجر گھونپنے کے لئے آگے بڑھایا۔ ہائے افسوس۔ وائے افسوس ؎

سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

ہندو سرمایہ کے زور پر لیگ دشمنی نے آپ صاحبان کو اس قدر از خود رفتہ بنا دیا۔ کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جناب کی حسینی فوج کا جال سا بچھ گیا۔ جناب نے بھی اس ضعیفی کے عالم میں درس حدیث کو "خیر باد" کہہ کر جگہ بہ جگہ بے شمار دورے فرمائے۔

اس بے پناہ پروپیگنڈا کے باوجود جب نتیجہ نکلا تو کانگریسی خدایانِ سیم وزر اپنا سر پکڑ کر رہ گئے۔ پاکستان کے ۴۶ علمبردار فتح و نصرت کے علم بلند کئے بڑھے جا رہے تھے۔ جناب کے ملت کش بیانات اکثر نظر سے گذرتے رہتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ مسلمان دنیا کے بڑے شیخ الحدیث اور مشہور متقی کی ان نوازش ہائے بے جا پر دل مسوس کر اور کلیجہ تھام کر رہ جائیں اور کیا کر سکتے ہیں۔ شملہ کانفرس سے لیکر وزارتی مشن تک جناب نے اپنی قوم کو خوب اچھی طرح تارپیڈو کیا ہے اور وہ وہ نقصان پہنچائے ہیں کہ...... خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا کہیئے ——— مولانا جب دس کروڑ مسلمانوں کی آہ و بکا کا مطلب یہی ہے کہ جناب کے اس "وار دھائی اجتہاد" سے ان کو نقصان پہنچ رہا ہے تو جناب کا یہ فرض نہیں کہ یا تو سیاست سے یکسوئی اختیار کریں یا ان کے سوادِ اعظم میں شامل ہو کر ان کی رہنمائی فرمائیں۔ مولانا داؤد غزنوی سابق پرانت پتی کا بیان جناب کے سامنے ہے۔ خدارا اسی کچھ بصیرت حاصل کیجیے۔ ‌[۱۶]

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارتگرِ باطل بھی تو

[۱۶] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

ناظرین آپ نے "نوائے وقت" کے دو طویل اور اہم اداریے ملاحظہ فرمائے اور پھر میرزا ہد حسین کا پُراز حقائق خط بھی پڑھا۔ میں یہ بات پورے یقین اور وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ایک ایک فقرہ تو کجا ایک ایک لفظ نے آپ کی غیرت اسلامی کو بیدار کیا ہوگا۔ ہندوؤں کی اسلام دشمن کاروائیوں سے آپ کے دل میں ہندو کے خلاف نفرت کا جذبہ مزید بڑھ گیا ہوگا۔ مگر مقام حیرت ہے کہ دیوبند کے پرنسپل مولانا حسین احمد مدنی پر ذرہ برابر بھی اثر نہ ہُوا۔ بلکہ وہ بڑی شدومد سے کانگریس کی حمایت میں کمر بستہ رہے۔ آخر کیوں؟ آیئے اور دیکھئے کہ مولانا ظفر علی خاں نے کس طرح اس راز کو طشت از بام کیا ہے۔

پلایا کانگرس نے ہو جنہیں دینار کا شربت
پسند آتا انہیں کب لیگ کا شربت بزوری ہے

۱۹۴۵ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں حسین احمد مدنی کی سرکردگی میں جمعیت علمائے ہند نے نوابزادہ لیاقت علی خاں کو شکست دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ نوابزادہ صاحب حلقہ میرٹھ سے مسلم لیگ کے امیدوار تھے کانگرس نے ان کے مقابلہ میں ایک نہایت ہی مقبول سیاسی کارکن محمد احمد کاظمی کو اپنا امیدوار نامزد کیا۔ یہ حلقہ مولانا حسین احمد مدنی کے عقیدت مندوں کا حلقہ تھا۔ مولانا کے علاوہ کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر جن میں سردار پٹیل پنڈت نہرو اور ابوالکلام آزاد بھی شامل تھے اس حلقے کے دورے پر گئے۔ ٹاٹا اور برلا کی تمام دولت روپہلی چاندی بن کر صرف ایک نشست کے لئے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔

حسین احمد مدنی اس حلقے کے ایک ایک گاؤں میں گئے اور ایک ایک ووٹر سے مل کر اپنے مذہبی اثرو رسوخ کو سیکولر کانگرس کے سیاسی مقاصد کر

---

۱۶ بہاولپور کی سیاسی تاریخ از شہاب دہلوی مطبوعہ بہاولپور ۱۹۷۷ء ص ۱۲۹ تا ۱۳۴

حق میں استعمال کراتے رہے اور مسلم لیگ کی تائید کرنے والوں پر بے دھڑک کفر کا فتویٰ عاید کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پورے حلقے میں مسلم لیگ کے خلاف ایک شدید سیاسی تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں چونکہ مسلم لیگ کے سیکریٹری تھے۔ کانگرس بجا طور پر سمجھتی تھی کہ اگر وہ مسلم لیگ کے مرکزی سیکریٹری کو انتخابات میں شکست دینے میں کامیاب ہو گئی تو اسے مسلم لیگ کی شکست قرار دینے کا موقع مل جائے گا۔ اور یہ قیام پاکستان کے خلاف ایک مؤثر پروپیگنڈا ہتھیار کے طور پر استعمال ہو سکے گا۔ ۱۷ے

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے طلباء نے اس حلقے میں جان پر کھیل کر مولانا حسین احمد مدنی کے اثر کو زائل کیا۔ جمعیت علماء ہند نے ان طلباء کے لئے بے شمار مشکلیں پیدا کیں مگر بے سود۔ مولانا حسین احمد مدنی نے ان طلباء کے متعلق "شرابی اور بد معاش" کا پروپیگنڈا کیا جس کے نتیجہ میں ان کو مسجدوں میں داخل نہ ہونے دیا گیا۔ لونڈوں نے بازاری زبان استعمال کی اور آوازے کسے مگر قائداعظم کے ان دیوانوں نے اپنی ہمت کو لوہا کر کے مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا اور چند دنوں میں ہی اس حلقہ انتخاب کی فضا اس نعرہ مستانہ سے گونج رہی تھی۔ "مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ"

پولنگ ختم ہوئی تو نوابزادہ صاحب نے ۴۵۳۰ ووٹ حاصل کر کے کامیابی کا پھریرا لہرایا۔ جبکہ مولانا حسین احمد مدنی کے امیدوار کو ۲۷۲۳ ووٹ ملے۔ اس کامیابی کی خوشی میں ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء کو پورے ہندوستان میں یوم فتح منایا گیا۔ کانگرس نے اس الیکشن پر چالیس لاکھ روپے خرچ کئے۔ مگر مولانا حسین احمد مدنی کی کرامت کی بدولت شکست سے دوچار ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ ۱۸ے

۱۷۔ روزنامہ "کوہستان" لاہور ۱۷ اگست ۱۹۶۷ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور ۱۹ اکتوبر ۷۲ء

۱۸۔ ایضاً عظیم قائد عظیم تحریک ص ۳۷۵ قائداعظم اور ان کا عہد ص ۶۶۰

حسین احمد مدنی کی مسلم دشمنی کا ذکر کہاں تک کیا جائے ، اب ہم آخر میں حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے وہ چند ارشادات نقل کرتے ہیں جو انہوں نے مولانا کی مسلم کش پالیسی سے بیزار ہو کر فرمائے۔

(۱) ندانی نکتۂ دین عرب را   کہ گوئی صبح روشن تیرہ شب را
اگر قوم از وطن بودے محمدؐ   نہ دادے دعوتِ دیں بولہب را

(۲) "قادیان اور دیوبند اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور دونوں اس تحریک کی پیداوار ہیں جسے عرفِ عام میں وہابیت کہا جاتا ہے"۔

(۳) حق را بفریبد کہ نبی را بفریبد
آں شیخ ..... کہ خود را مدنی خواند[19]

حسین احمد مدنی کی وفات ۱۲ر جمادی الاول ۱۳۷۷ھ / ۵ ر دسمبر ۱۹۵۷ء کو ۳ بجے سہ پہر ہوئی اور دیوبند کے قبرستان قاسمی میں دفن ہوئے۔[20]

---

۱۹ اقبال کے حضور از سید نذیر نیازی مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء ص ۲۶۶، ۲۶۱، ۱۷۴

۲۰ ماہنامہ "تجلی" دیوبند، مارچ اپریل ۱۹۷۹ء ص ۲۲۶

یادداشت :- بجنور میں مسلم لیگ ہار گئی۔ اسی دوران مولوی مدنی کے نام کانگرس کا سات سو کا منی آرڈر ایک مسلم لیگی کلرک نے پکڑ لیا جس پر مولوی ظفر علی خاں نے لکھا ہے

غداریٔ وطن کا صلہ سات سو فقط + ایماں ہی بیچنا ہے تو سستا نہ کیجئے
بھرنا ہی پیٹ ہے۔ تو طریقے ہیں اور بھی + دو روٹیوں پہ اسلام کو بیچا نہ کیجئے
شائستگی سے دیجئے گر بن سکے جواب + ورنہ ابھی سے مشق تبرا نہ کیجئے
اسلام کو نہ مفت میں بدنام کیجئے + حجرے میں جا کے بیٹھئے آرام کیجئے

(نوائے وقت لاہور ۴ر نومبر ۱۹۴۵ء)

بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ

"اسعد مدنی اور پاکستان"

گذشتہ صفحات میں ذکر کیا جاچکا ہے۔ کہ علمائے دیوبند نے حسین احمد مدنی کی قیادت میں تحریک پاکستان کی ڈٹ کر مخالفت کی تھی۔ جب ان کی مرضی کے خلاف پاکستان معرض وجود میں آگیا۔ تو اکثر دیوبندی مولوی چپکے سے پاکستان آگئے اور قائداعظم کے عفوِ عام سے غلط فائدہ اٹھاکر پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرنے لگے۔ جب بھی موقع ملا قیام پاکستان پر براہ راست حملے کر کے کانگریس کی نمک خواری کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ہندوستان سے اپنے ساتھی کانگریسی مولویوں کو بلاکر پاکستان کے خلاف زہر اگلوایا۔ چنانچہ حسین احمد مدنی کے صاحبزادے اسعد مدنی ہر سال پاکستان آکر زیر زمین کاروائیاں کرتے رہے ہیں۔ مگر اس سال انہوں نے جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قیام پاکستان پر تابڑ توڑ حملے کئے۔ جامعہ مدنیہ کے ناظم اعلیٰ مولوی حامد میاں، نوابزادہ نصر اللہ خاں اور سامعین میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ اسعد مدنی کی زبان کو لگام دیتا جس سے یہ صاف ظاہر ہوگیا کہ مخالفین پاکستان نے ابھی تک قیام پاکستان کو تسلیم نہیں کیا اور ان سب کا خبث باطن ظاہر ہوگیا ہے۔

لیجئے! اب اسعد مدنی کی تقریر کی خبر جو روزنامہ "جنگ" لاہور مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ ملاحظہ فرمایئے۔

ت روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۴ر ستمبر ۱۹۸۲ء۔

"لاہور (سٹاف رپورٹر) جمعیت علمائے ہند کے سربراہ مولانا سید اسعد مدنی نے کہا ہے کہ بھارت میں مسلمان کسی کے رحم وکرم پر نہیں بلکہ برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے گزشتہ روز جامعہ مدنیہ لاہور میں ایک اجتماع سے خطاب کیا۔ اس اجتماع میں نواب زادہ نصراللہ خاں بھی موجود تھے۔ تقریب سے مولانا سراج احمد دین پوری اور حافظ محمد یوسف نے بھی خطاب دیا۔ مولانا سید اسعد مدنی نے کہا کہ پاکستان بنانے والے بھارتی مسلمانوں کی آخری رسومات ادا کر آئے۔ لیکن وہ آج بھی زندہ ہیں مسلمانوں نے برصغیر میں دیگر تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد سے زیادہ قربانی دی تھی انہوں نے بتایا کہ محمود الحسن کی تجویز پر ہی مہاتما گاندھی کو کانگریس کی قیادت کے منصب پر فائز کیا گیا تھا۔ اور مسلمانوں نے مہاتما گاندھی کے دوروں کے لئے رقوم فراہم کیں۔ انہوں نے کہا کہ علمائے دین نے کانگریس کو انگریز کی غلامی اور ٹوڈیوں سے پاک کیا۔ کانگریس نے جمعیت علمار ہند کی قرارداد و ملکو اپنی قراردادیں بنایا۔ لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ جب انگریز بین الاقوامی صورت حال کے سبب کمزور ہوا۔ اور برصغیر پر مسلمانوں کی بالادستی کے امکان روشن ہو گئے تو مسلمانوں نے چھوٹے سے حصے کے لئے پورے ہندوستان سے دست برداری اختیار کر لی۔ انہوں نے کہا کہ اگر آج ہندوستان متحد ہوتا تو ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ۴۰ کروڑ ہوتی اور ہندوستان کے تمام شعبوں پر مسلمانوں کی بالادستی ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ بھارت میں موجود مسلمانوں کو ڈرایا گیا کہ انہیں ہندو کھا جائیں گے لیکن ان کو کسی نے ہضم نہیں کیا، مسلمان ہندوستان میں باعزت زندگی گزار رہے ہیں۔ بھارت میں مسلمان انتہائی طاقتور ہیں اگر فوج اور پولیس نہ ہو تو مسلمان کسی وقت بھی بھارت کا نقشہ بدل سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہر زندہ قوم کی طرح بھارتی مسلمانوں کے بھی مسائل ہیں انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کو قائدین کی نہیں۔ خادموں کی ضرورت ہے۔"

اسعد مدنی کی اس پاکستان دشمنی کا منہ توڑ جواب روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے ۱۱ر دسمبر ۱۹۸۴ء کے اداریے میں یوں دیا ہے۔

"لاہور میں گزشتہ روز جامعہ مدنیہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے بھارت کی جمعیت علماء کے صدر اور مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے صاحبزادے سید اسعد مدنی نے بعض متنازعہ باتیں کہی ہیں اور ایسے موقع پر کہی ہیں جبکہ پاکستان میں ۱۹ر دسمبر کو ایک فیصلہ کن ریفرنڈم کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مولانا کی باتوں کو چپکے سے برداشت کر لینا اور ان کا نوٹس نہ لینا پاکستان اور ملت پاکستان کی طرف سے بے اعتنائی برتنے کا ثبوت ہوگا۔ مولانا نے اپنی تقریر دلپذیر میں منجملہ اور امور کے یہ بھی ارشاد فرمایا اور تعلّی آمیز الفاظ میں فرمایا کہ آج بھارت میں مسلمان انتہائی طاقتور ہیں اور اگر (اور یہ اگر قابل غور ہے) بھارتی مسلمان فوج اور پولیس کے نرغے میں نہ ہوں تو وہ کسی وقت بھی بھارت کا نقشہ تبدیل کر سکتے ہیں۔ ان کے ان الفاظ پر ہم اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ "چشم ما روشن دل ما شاد" لیکن اپنی اسی تقریر میں مولانا نے پاکستان کے متعلق بڑے طنزیہ انداز میں کہا۔ کہ جب انگریز بین الاقوامی صورت حال کے سبب کمزور ہوا۔ اور برصغیر پر مسلمانوں کی بالادستی کے امکان روشن ہو گئے تو مسلمانوں نے چھوٹے حصے کے لئے پورے برطانوی ہند سے دست برداری اختیار کر لی۔ اور بھارت کے ان علاقوں کو نظر انداز کر دیا۔ جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور یہ الزام لگایا۔ کہ جن لوگوں نے پاکستان بنایا تھا انہوں نے یہ بھی سمجھ لیا۔ کہ بھارت میں مسلمان کسی اعتنا کے قابل نہیں۔

مولانا اسعد مدنی کا علمی مقام گو کیسا ہی بلند ہو لیکن انہوں نے اپنے علم اور اپنی دانش کو جسطرح بھارتی عندیہ اور بھارتی سیاست کے ماتحت پاکستان بیزاری میں صرف کیا ہے وہ کچھ خوش آئند بات نہیں۔ مولانا یہ تاثر دینا چاہتے ہیں۔ کہ صرف اکثریتی علاقوں کے مسلمانوں نے پاکستان کی طلب اور حمایت میں زور لگایا، لیکن مولانا غالباً یہ بھول گئے کہ ۲۳ر مارچ

۱۹۴۷ء کو لاہور کے تاریخی اجتماع میں جن بزرگوں نے پاکستان کے حق میں سب سے زیادہ موثر تقریریں کیں۔ وہ سب اقلیتی صوبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ برصغیر کے اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو اس کا پوری طرح علم واحساس تھا۔ کہ ان کے صوبے پاکستان میں شامل نہیں ہوں گے۔ وہ یہ بھی بخوبی جانتے تھے کہ پاکستان کے قیام کے بعد کانگریس اور بھارت کی ہندو اکثریت ان کا یہ "جرم" کہ انہوں نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں پاکستان کے حق میں بڑھ چڑھ کر ووٹ دیا، کبھی معاف نہیں کرے گی اور انہیں اس کی کڑی سزا دے گی، مگر اس کے باوجود انہوں نے محض اس لیئے یہ قربانی دی کہ چند کروڑ مسلمان بھائی تو کم سے کم ہندو تعصب کی زد سے آزاد ہو کر ایک آزاد اسلامی مملکت کی فضا میں آزادی کا سانس لیں گے۔ اور اسلام کے مطابق اپنی زندگی گزاریں گے۔ ان کی یہ قربانی رنگ لے آئی اور بحمداللہ آزاد جمہوریہ پاکستان قائم ہو گیا جو آج بھی امن کا گہوارہ ہے۔ بھارتی مسلمان پاکستان بنانے کی قیمت آج بھی ادا کر رہے ہیں جبکہ موجودہ بھارتی مسلمان نسل کا قیام پاکستان سے کوئی تعلق نہیں۔

مولوی مدنی نے جو فرمایا ہے کہ بھارت میں فوج اور پولیس نہ ہو تو مسلمان کسی وقت بھی بھارت کا نقشہ بدل سکتے ہیں۔ تو ان سے یہ پوچھنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ کیا کوئی ملک فوج اور پولیس کے بغیر قائم رہ سکتا ہے؟ خاص طور پر بھارت جیسا ملک جو "منی پاور" بننے کے لئے دیوانہ وار تیاریاں کر رہا ہے۔ مولانا نے نوید مسرت سنائی ہے کہ بھارت کے مسلمان اپنے ملک میں باعزت زندگی گزار رہے ہیں اور انتہائی طاقتور ہیں مولانا بتا سکتے ہیں کہ فوج اور پولیس میں مسلمانوں کی کتنی نمائندگی ہے؟ محض ایک دو فیصد اور بھارت کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی صدیوں حکومت رہی جیسے حیدر آباد دکن وہاں کے مسلمان آج کس زبوں حالی کا شکار ہیں۔ دارالحکومت "دہلی شریف" میں مسلمانوں کی حالت زار کس سے پوشیدہ ہے؟ مولانا کا یہ ارشاد بھی محل نظر ہے کہ اگر

پاکستان نہ بنتا تو بھارت میں مسلمانوں کی تعداد بیس کروڑ ہوتی اور بھارت کے تمام شعبہ ہائے حیات پر مسلمانوں کی بالادستی ہوتی۔ مولانا مدنی غالباً بھول گئے کہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی رُو سے جب ۱۹۳۷ء میں برطانوی ہند کے گیارہ میں سے سات صوبوں میں کانگریسی حکومتیں قائم ہوئیں تو صرف اڑھائی برس کی مختصر مدت ہی میں ان سات صوبوں کے مسلمانوں پر کیا بیتی؟ غالباً مولانا اسعد مدنی کی نظروں سے پیرپور رپورٹ کی رپورٹ نہیں گزری۔ پھر ۱۹۴۷ء میں کانگریس نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا۔ اسے کیا مولانا صاحب فخر کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں؟

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے اگرچہ مولانا کی تقریر کا ۱۹ دسمبر کو ہونے والے ریفرنڈم سے کوئی تعلق نہیں، تاہم انہوں نے قیام پاکستان کی مخالفت میں وعظ فرما کر ریفرنڈم کو تقویت پہنچائی ہے۔ کیونکہ ریفرنڈم نظریہ پاکستان پر بھی ہو رہا ہے حیرت ہے کہ اس اجتماع میں نوابزادہ نصراللہ خاں بھی موجود تھے اور مولانا سراج دین پوری اور حافظ محمد یوسف نے بھی خطاب کیا۔ مگر پاکستان کی مخالفت کے مسئلہ پر اگر نوابزادہ صاحب نے خامشی ہی میں مصلحت سمجھی تو دوسرے دو علماء نے پاکستان کے امور میں مولانا مدنی کی بے جا مداخلت پر ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اگر کہا ہے تو وہ اخبارات میں رپورٹ نہیں ہوا۔

اگر مولانا یہ سمجھتے ہوں کہ مسلمانوں کو بھارت نوازی کا صلہ بھارت میں ضرور مل جاتا۔ تو وہ بہت دُور نہ جائیں۔ حال ہی کے واقعہ پر غور کریں کہ سکھوں کو ہندو اور کانگریس سے انتہائی وفاداری اور مسلم آبادی کو پاکستان طرف کھدیڑنے، اجاڑنے اور قتل کرنے کا صلہ کیا ملا؟ سکھوں کو انہوں نے اپنا سپاہی اور محافظ قرار دیکر مسلمانوں کے قتل و استہلاک پر اکسایا اور سکھوں نے اپنی بساط سے بڑھ کر کانگریس کی خدمت کی آج ان کا بھارت میں کیا حال ہے؟ اور ان کے ساتھ مسلمانوں کو جسطرح بے خطا

مارا جارہا ہے کیا اس پر کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہے ؟ کیا دہلی اور کلکتہ کے حالیہ مسلم کش فسادات کو مولانا درخور اعتنا نہیں سمجھتے ؟ اسعد مدنی ہمارے مہمان ہیں مگر ہم بڑے ادب کے ساتھ ان سے گزارش کریں گے کہ وہ ہمارے معاملات میں مداخلت نہ فرمائیں اور جس طرح مولانا ابوالکلام آزاد اور عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہم نے یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی تھی کہ جب پاکستان بن چکا ہے تو ہماری مخالفت کا باب بند ہو چکا۔ اب ہماری تمنا اور دعا یہ ہے کہ پاکستان قائم رہے اور پاکستان کے مسلمان ترقی کریں۔ پاکستان مضبوط ہو۔ بھارت کے مسلمانوں کی اسی میں بقا اور عافیت ہے اگر اسعد مدنی اپنے اُن بزرگوں کا یہ طرزِ عمل اختیار نہیں کر سکتے تو ان کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی زبان بند رکھیں۔ کم سے کم پاکستان میں "!

"تحریک پاکستان اُور اہلحدیث"

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہو یا تحریک پاکستان، علمائے اہلحدیث نے ہر مقام پر مسلم مفاد سے غداری کر کے انگریز اور کانگریس کی کاسہ لیسی کی ہے۔ جہاد ۱۸۵۷ء میں مجاہد کبیر حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا کفایت علی کافی، مولانا شاہ احمد اللہ مدراسی مولانا منشی رسول بخش کاکوری، مولانا مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا امام بخش صہبائی اور ان کے ہزاروں ساتھی علماء انگریز بہادر کے خلاف فتویٰ جہاد کا اعلان کر کے میدان کارزار میں داد شجاعت دے رہے تھے تو نام نہاد اہلحدیث حضرات کے اکابرین انگریزی مفادات کا تحفظ کر رہے تھے پیشوائے علماء اہلحدیث (وہابیہ) میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے ساتھیوں نے انگریز بہادر کی خدمت کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ چنانچہ میاں صاحب نے انگریز عورتوں کو اپنے ہاں پناہ دی۔ ان کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ مجاہدین آزادی کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ اور پھر بعد میں انگریز حکومت سے نقد انعامات، جاگیر اور "شمس العلماء" کا خطاب حاصل کیا۔ میاں صاحب کی انگریز دوستی کی اس طویل داستان کو ان کے سوانح نگار مولوی فضل حسین بہاری نے "الحیات بعد الممات" مطبوعہ مکتبہ شعیب حدیث منزل کراچی ۱۹۵۹ء کے صفحہ ۱۲۴ تا ۱۴۰ میں بڑی "شد و مد" کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ صفحہ ۱۲۵ پر جہاد ۱۸۵۷ء کے متعلق میاں صاحب کے ارشادات یوں درج فرمائے ہیں۔ پڑھیئے اور سر پیٹیئے۔

"میاں وہ ہلڑ تھا۔ بہادر شاہی نہ تھی، وہ بے چارا بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔ حشرات الارض خانہ بر اندازوں نے تمام دہلی کو خراب، دیران

تباہ اور برباد کر دیا۔ شرائط امارت وجہاد بالکل مفقود تھے ہم نے تو اس فتویٰ پر دستخط نہیں کیا مُہر کیا کرتے اور کیا لکھتے۔ مفتی صدرالدین خان صاحب چکر میں آگئے۔

بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے مگر وہ باغیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے کرتے تو کیا کرتے۔"

قارئین کرام میاں صاحب کے مندرجہ بالا ارشادات بغور مطالعہ فرمائیں اور خود فیصلہ فرمائیں کہ میاں صاحب کن روپہلی مصلحتوں کا شکار ہو کر انگریز بہادر کا ساتھ دے رہے تھے۔ اگر میاں صاحب کے بقول "شرائط امارت وجہاد بالکل مفقود تھے" تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علمائے حق اس جہاد میں حصہ لے رہے تھے وہ سب کے سب راہ حق سے فرار کر کے خواہ مخواہ اپنی جانیں ضائع کر رہے تھے۔ کیا میاں صاحب کے پیروکار اس گتھی کو سلجھانے کی سعی فرمائیں گے۔

میاں صاحب کی اسی سوانح عمری کے صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے کہ انہیں انگریز عورتوں کی جانیں بچانے کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور خوشنودی کے سرٹیفکیٹ ملے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۰ پر "شمس العلماء" کا خطاب ملنے کا بھی تذکرہ ہے کہ ۲۲ر جون ۱۸۹۷ء کو آپ کو اس خطاب سے نوازا گیا۔

مشہور مورخ رئیس احمد جعفری نے انگریز عورتوں کی جانیں بچانے کا ذکر یوں کیا ہے۔

"مولوی محمد نذیر حسین صاحب، مولوی عبدالرب اور مولوی حفیظ اللہ خاں صاحب نے غدر میں ایک دو میموں اور بچوں کو اپنے گھر میں چھپایا تھا۔ اس صلہ میں انگریزوں نے ان کو انعام دیا اور ان کی خیر خواہی کی

قدر کی۔" (بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء ص ۲۹۷)

مشہور اہلحدیث رہنما میر محمد ابراہیم سیالکوٹی یوں رقمطراز ہیں۔

"جون ۱۸۹۷ء مطابق محرم ۱۳۱۵ھ میں آپ کو گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔ جب لوگ خلعت و خطاب کے ساتھ میاں صاحب سے ملے اور آپ کو اس سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا:۔

ہم غریب آدمی خلعت و خطاب لے کر کیا کریں گے۔ خلعت و خطاب تو بڑے آدمیوں کو ملنا چاہیئے۔ ہم کو دنیا لاحاصل ہے۔ بعد اس گفت و شنید کے آپ نے اسی قدر فرمایا۔ اچھا صاحب آپ حاکم ہو۔ جو چاہو کہو۔" (تاریخ اہلحدیث مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء ص ۴۲۱)

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں کہ

"مولوی نذیر حسین کو اس (میم کی جان بچانے کے صلے میں) ایک ہزار تین سو روپے انعام ملا۔ اس سلسلے میں ایک سرٹیفکیٹ میاں نذیر حسین کی سوانح عمری سے نقل کیا جاتا ہے۔

ڈبلیو جی۔ واٹر فیلڈ۔ قائم مقام کمشنر دہلی۔

" مولوی نذیر حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے، حالت مجروحی میں انہوں نے اُن کا علاج کیا۔ ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو پہنچا دیا۔" (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء ص ۴۱۰)

صفحہ ۴۱۱ پر ڈاکٹر قادری صاحب ایک نہایت دلچسپ واقعہ درج فرماتے ہیں جس سے اہلحدیث حضرات کے اکابرین کی انگریز دوستی، مفاد پرستی اور ذہنی پستی

کا اظہار ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں۔ کہ

"مسز لیسنس کی جان بچانے میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد بھی شامل تھے اور بقول افتخار عالم مارہروی اس انگریز خاتون کو وہی اٹھا کر لائے تھے اور جنگ آزادی کے بعد جب ڈپٹی نذیر احمد ڈپٹی انسپکٹر مقرر ہوئے تو میاں نذیر حسین کے صاحبزادے مولوی شریف حسین (ف ۱۳۰۴ھ) نے اس کو اپنے باپ کا حق سمجھا۔ مولوی افتخار عالم مارہروی لکھتے ہیں:-

"مولوی شریف حسین نے دعویٰ کیا کہ مولوی نذیر احمد صاحب کو جو نوکری مل گئی ہے وہ میرے باپ نذیر حسین کا حق ہے ...... ان لغو باتوں کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ دونوں خاندانوں میں تا ایں دم صفائی نہیں ہوئی"۔

قارئین کرام خود ہی اکابرین اہلحدیث کے کردار کا جائزہ لے کر نتیجہ اخذ کر لیں ہم اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتے اہلحدیث حضرات جو میاں صاحب کو جنگ آزادی کا ہیرو ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور "اتنا جھوٹ بولو کہ وہ سچ مانا جائے" کے مقولہ پر عمل پیرا ہیں، یہی توجہ فرمائیں ۔

آپ بھی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں ہم اگر عرض کرینگے تو شکایت ہوگی

بٹالوی - مولوی محمد حسین بٹالوی نے دل کھول کر حکومت برطانیہ کی حمایت کی اور اپنی جماعت کے لئے "وہابی" کے بجائے "اہلحدیث" کا نام مروج و مشتہر کیا حکومت برطانیہ کی وفاداری کا ببانگ دُہل اعلان کیا اور سرکاری کاغذات و تحریرات میں "وہابی" کے بجائے "اہلحدیث" لکھے جانے کے باقاعدہ احکام جاری کرائے۔

قارئین کرام اندازہ فرمائیں کہ جو جماعت یا گروہ اپنی پہچان انگریز سے کرائی ہے اور اپنے آپ کو اہلحدیث لکھوانے اور کہلانے کے لئے حکومت برطانیہ کی محتاج ہے وہ انگریز بہادر کی منشاء کے مطابق اپنی پالیساں وضع نہ کرے تو

کیا کرے ۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری وہابی بڑے فخر کے ساتھ لکھتے ہیں کہ

" اہلحدیث کو سرکاری دفتروں میں وہابی لکھنے کی ممانعت ہے ۔ ملاحظہ ہو چٹھی گورنر ہند بنام گورنمنٹ پنجاب مورخہ ۳ دسمبر ۱۸۸۶ء نمبری ۱۷۵۸ ۔"

(اہلحدیث کا مذہب مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۰۷ ۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء ص ۱۱۳)

مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکار برطانیہ کی وفاداری میں جہاد کی منسوخی پر ایک مستقل رسالہ " اقتصاد فی المسائل الجہاد " ۱۲۹۲ھ میں لکھا ۔ انگریزی اور عربی زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے یہ رسالہ سر چارلس ایچی سن اور سر جیمس لائل، گورنران پنجاب کے نام معنون کیا گیا ۔ مولوی محمد حسین نے اپنی جماعت کے علماء سے رائے لینے کے بعد ۱۲۹۶ھ میں یہ رسالہ " اشاعت السنہ " کی جلد دوم شمارہ گیارہ میں بطور ضمیمہ شائع کیا ۔ پھر مزید مشورہ و تحقیق کے بعد ۱۳۰۶ھ میں باضابطہ کتابی صورت میں شائع ہوا ۔ اس سلسلے میں خود مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں ۔

" اگرچہ اس مضمون میں منسوخی جہاد کے رسائل گورنمنٹ اور ملک کے اور خیرخواہوں نے بھی لکھے ہیں ۔ لیکن جو ایک خصوصیت اس رسالے میں ہے وہ آج تک کسی تالیف میں پائی نہیں جاتی ۔ وہ یہ ہے کہ یہ رسالہ صرف مؤلف کا خیال نہیں رہا ۔ اس گروہ کے عوام و خواص نے ...... اسکو پسند کیا اور اس سے اپنی آرا کا توافق ظاہر کیا ۔ اس توافق رائے حاصل کرنے کے لئے مؤلف (مولوی محمد حسین بٹالوی) نے عظیم آباد پٹنہ تک ایک سفر کیا تھا جس میں لوگوں کو یہ رسالہ سنا کر اتفاق حاصل کیا اور جہاں خود نہیں پہنچا ۔ وہاں اس رسالہ کی متعدد کاپیاں ارسال کر کے توافق حاصل کیا ۔" (رسالہ اشاعت السنہ لاہور جلد ۸ نمبر ۵ ص ۲۶۱، ۲۶۲)

بحوالہ جنگ آزادی از ڈاکٹر محمد ایوب قادری ص ۶۴)

مولوی محمد حسین بٹالوی کے اس کارنامہ کا ذکر کرتے ہوئے مولوی مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں۔

" اس کتاب پر (مولوی محمد حسین بٹالوی) انعام سے بھی سرفراز ہوئے۔ جماعت اہلحدیث کو فرقے کی شکل دینے میں ان کا خاص حصہ ہے اور یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خوبو پیدا کی، نہ صرف یہ ہوا بلکہ دوسرے معاصر علماء کو سرکار کی مخالفت کے طعنے بھی دیئے"۔

یہی مولوی مسعود عالم ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں " جاگیر" بھی ملی تھی۔

اِس رسالے کا پہلا حصہ پیش نظر ہے پوری کتاب تحریف و تدلیس کا عجیب و غریب نمونہ ہے"۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۱۲، ۲۹ بحوالہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از پروفیسر محمد ایوب قادری ص ۶۴، ۶۵ و حیات سید احمد شہید از محمد جعفر تھانیسری مقدمہ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء ص ۲۵، ۲۶) مولوی عبد المجید خادم سوہدروی وہابی اس سلسلہ میں یوں گویا ہیں۔

(مولوی محمد حسین بٹالوی نے) اشاعۃ السنہ کے ذریعے اہلحدیث کی بہت خدمت کی۔ لفظ " وہابی " آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا۔ اور جماعت کو " اہلحدیث " کے نام سے موسوم کیا گیا..... (آپ نے) حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی"۔ (سیرت ثنائی مطبوعہ گوجرانوالہ سنہ ۱۹۵۲ء ص ۳۷۲ بحوالہ جنگ آزادی ص ۶۵)

مشہور مؤرخ ڈاکٹر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں۔

" انہوں نے (مولوی محمد حسین بٹالوی) نے ارکانِ جماعت اہلحدیث

کی ایک دستخطی درخواست لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے ذریعے سے وائسرائے ہند کی خدمت میں روانہ کر دی اس درخواست پر سر فہرست شمس العلماء میاں نذیر حسین (دہلوی) کے دستخط تھے۔ گورنر پنجاب نے وہ درخواست اپنی تائیدی تحریر کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیجدی، وہاں سے حسب ضابطہ منظوری آگئی۔ کہ آئندہ وہابی کے بجائے "اہلحدیث" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے باقاعدہ اس کی اطلاع مولوی محمد حسین کو دی۔ اسی طرح گورنمنٹ مدراس کی طرف سے ۱۵ اگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۲۷ گورنمنٹ بنگال کی طرف سے ۲۰ جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۸۶، گورنمنٹ سی پی کی طرف سے ۱۴ جولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۴۰۷ اور گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے ۴ اگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۲، اس امر کی اطلاع مولوی محمد حسین بٹالوی کو ملی۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۵، ۶۶)

مولوی محمد حسین بٹالوی نے خوشامد اور کاسہ لیسی کی حد کر دی۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اس گروہ اہلحدیث کے خیر خواہ وفادار رعایا برٹش گورنمنٹ ہونے پر ایک بڑی اور روشن اور قوی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اور اس امر کو اپنے قومی وکیل اشاعۃ السنہ کے ذریعے سے جس کے عـ۱۰ جلد عـ۶ میں اس امر کا بیان ہوا ہے۔ (اور وہ نمبر ہر ایک لوکل گورنمنٹ اور گورنمنٹ آف انڈیا میں پہنچ چکا ہے) گورنمنٹ پر بخوبی ظاہر اور مدلل کر چکے ہیں جو آج تک کسی اسلامی فرقہ رعایا گورنمنٹ نے ظاہر نہیں کیا۔ اور نہ آئندہ کسی سے اس کے ظاہر ہونے کی امید ہو

سکتی ہے۔" (رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۸ شمارہ ۹ ص ۲۶۲ بحوالہ حیات سید احمد شہید (مقدمہ) ص ۲۷)

اسی طرح ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی پر جو ایڈریس محمد حسین بٹالوی نے گروہ اہلحدیث کی طرف سے پیش کیا تھا۔ اس میں لکھا تھا۔

"یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اس سلطنت میں حاصل ہے بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے اس خصوصیت سے یہ یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ مسرت حاصل ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔"

(اشاعۃ السنہ جلد ۹ شمارہ ۷ ص ۲۰۵، ۲۰۶ بحوالہ جنگ آزادی صفحہ ۶۷)

اسی طرح لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند کی سبکدوشی پر جماعت اہلحدیث نے ایک خوشامدانہ ایڈریس دیا۔ جس پر سب سے پہلے شمس العلماء میاں نذیر حسین کے دستخط ہیں۔ اس کے بعد ابو سعید محمد حسین وکیل اہلحدیث۔ مولوی احمد اللہ واعظ میونسپل کمشنر امرتسر، مولوی قطب الدین پیشوائے اہلحدیث روپڑ، مولوی حافظ عبد اللہ غازی پوری۔ مولوی محمد سعید بنارسی، مولوی ابراہیم آرہ اور مولوی نظام الدین پیشوائے اہل حدیث مدراس کے دستخط ہیں۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۷)

مولوی محمد حسین بٹالوی کی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں۔

"ان بیچاروں کو یہ ہوش نہیں رہا کہ وہ اپنے کو سرکار کی زد سے بچانے کی فکر میں کیا کر رہے ہیں اور اپنے ماننے والوں کو کس پستی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب اور ان ہی جیسے بعض علمائے

اہلحدیث کی روش کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ موجودہ جماعت اہلحدیث کا عام رجحان فروعی مسئلوں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے"۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ص ۲۹ بحوالہ جنگ آزادی ص ۶۷، ۶۸)

مشہور اہلحدیث عالم سلیمان ندوی اس صورت حال پر یوں تبصرہ کرتے ہیں۔

"اہلحدیث کے نام سے اس وقت بھی جو تحریک ہے حقیقت کی رو سے وہ قدم نہیں، نقش قدم ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہید جس تحریک کو لے کر اٹھے تھے وہ فقہ کے چند مسائل نہ تھے بلکہ امامت کبریٰ، توحید خالص اور اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی تعلیمات تھیں۔ مگر افسوس ہے کہ سیلاب نکل گیا اور باقی جو رہ گیا ہے۔ وہ گزرے ہوئے پانی کی فقط لکیر ہے"۔

(تراجم علمائے حدیث ہند از ابو یحییٰ نوشہروی (مقدمہ) مطبوعہ لائل پور سنہ ۱۳۹۱ھ صفحہ ۳۱)

اس تمام بحث سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہلحدیث حضرات شروع سے ہی انگریزوں کے وفادار، نمک خوار اور خیر خواہ ہیں۔ سنہ ۱۸۸۸ء سے پہلے "وہابی" کے نام سے متعارف تھے اور پھر انگریزی حکومت کی منظوری سے "وہابی" سے "اہل حدیث" بن گئے۔ اور پھر تا قیام پاکستان انگریزی مشن کیلئے ہمہ تن مصروف رہے۔ اگر سنہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان نہ بنتا۔ تو نہ جانے یہ حکومت برطانیہ کی سرپرستی میں مرزا قادیانی سے بھی چند قدم آگے نکل جاتے۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم نے اس گروہ کی انگریز نواز پالیسی پر کیا خوب تبصرہ فرمایا ہے۔ پڑھیئے اور سر دھنیئے۔

"مولوی محمد حسین بٹالوی کی پوری پالیسی میں شمس العلماء شیخ الکل میاں نذیر حسین ممد و معاون بلکہ سرپرست و سرخیل رہے اور صادق پور کی بجائے مرکز قیادت دہلی و لاہور منتقل ہو گیا۔ پھر بیسوی صدی کے آغاز پر دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء

ہیں بمقام آرہ (بہار) آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس وجود میں آئی۔ جس کے سب سے فعال رکن ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری تھے۔ اہل حدیث کانفرنس کی کاروائی کم وبیش مولوی محمد حسین بٹالوی ہی کے انداز پر رہی۔" (گویا انگریز پرستی ان کا مطمع نظر اور وظیفہ حیات ٹھہرا) (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۶۸ مقدمہ حیات سید احمد شہید ص ۲۸)

صدیق حسن، اہل حدیث حضرات کے بہت بڑے گرو نواب صدیق حسن بھوپالی نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو غدر قرار دیا۔ اور جہاد کا فتویٰ دینے والوں کو خوب کوسا۔ ملاحظہ ہو

"ہم کو بڑا تعجب آتا ہے اِن لوگوں پر جنہوں نے غدر میں بغیر وجود شرائط کے اور بغیر وجود امام کے اور بغیر اتباع شرع کے باوجود قتل کرنے لڑکوں اور عورتوں کے جو محض بے گناہ اور معصوم تھے۔ کیونکر فتویٰ دیدیا۔ کہ یہ ہڑبونگ جاہلوں کا اور بہیر مفسدوں کا اور جمگھٹا بے وقوفوں کا جہاد ہے۔"

(ترجمان وہابیہ مطبوعہ لاہور ۱۳۱۲ھ در مطبع محمدی ص ۱۶)

نواب صاحب مزید لکھتے ہیں۔

"جہاد اور جنگ مذہبی بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا بمقابلہ اُس حاکم کے کہ جس نے آزادی مذہبی دے رکھی ہے از روئے شریعت اسلام عموماً خلاف وممنوع ہے اور وہ لوگ جو بمقابلہ برٹش گورنمنٹ ہند یا کسی اس بادشاہ کے کہ جس نے آزادگی مذہبی دے رکھی ہے، ہتھیار اٹھاتے ہیں اور مذہبی جہاد کرنا چاہتے ہیں۔ کل ایسے لوگ باغی ہیں اور مستحق سزا کے مثل باغیوں کے شمار ہوتے ہیں۔" (ترجمان وہابیہ ص ۶۱)

نواب صاحب کے ان ارشادات عالیہ کے مطابق جنگ آزادی ۱۸۵۷ء "جہاد" نہیں بلکہ "غدر" تھا اور اس میں حصہ لینے والے "باغی" اور "مستحق سزا" تھے۔ تو

گویا تمام علماء و مشائخ قومی رہنما اور بہادر شاہ ظفر جنہوں نے جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ وہ سب کے سب باغی تھے اور اس جہاد میں شریک ہونے والے، گولی کا نشانہ بننے والے۔ سولی پر چڑھنے والے اور گوناگوں قسم کی سزائیں اور صعوبتیں برداشت کرنے والے سب کے سب راہ حق اور صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے تھے۔ صرف نواب صاحب اور ان کے ساتھی ہی حق پر تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ ان کا مذہب انگریز پرستی تھا۔ اور ان کے نزدیک حق و صداقت کا معیار سلطنت برطانیہ کی وفاداری تھا۔ ؎

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے　　دے آدمی کو موت پر یہ بد ادا نہ دے

دل تو چاہتا ہے کہ نواب صاحب کی انگریز پرستی کے مزید واقعات عرض کروں۔ مگر طوالت کے خوف سے انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ قارئین اگر مزید تحقیق و جستجو کی خواہش رکھتے ہیں۔ تو نواب صاحب کی کتاب "ترجمان وہابیہ" کا مطالعہ فرمائیں جو تمام کی تمام انگریز پرستی اور ضمیر فروشی کی مظہر ہے۔

وہابی حضرات بڑے زور و شور سے "تحریک مجاہدین" کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اس کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں آیئے ذرا اس تحریک کے ایک عینی شاہد مولوی محمد علی قصوری کی زبانی اس تحریک کی داستان سن لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

"امیر نعمت اللہ مرحوم ایک بھاری بھر کم، خوبصورت، وجیہہ، دراز قامت نوجوان تھے۔ گفتگو میں نہایت شائستہ، متین اور سنجیدہ تھے۔ بڑے زیرک اور مردم شناس آدمی تھے ان کے خطبات کافی دلنشین ہوتے تھے۔ خوبصورت ترشی ہوئی داڑھی، سر پر خوبصورت سنہرے پٹے رکھتے تھے۔ لباس میں پٹنہ اور یوپی کا قدیم غرارہ اور لمبا کرتہ انگرکھا دار صدری پہنتے تھے۔ سر پر عمامہ اور ہاتھ میں نفیس چھڑی۔ مسلمان امراء

مشائخ کی طرح عورتوں کے بے حد شوقین تھے۔ تین تو ان کی نکاحتا بیویاں تھیں اور دس بارہ نہایت خوبصورت لڑکیاں بطور خادماؤں کے رکھتے تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں کی طرح امیر نعمت اللہ کا بھی زیادہ وقت انہیں نوجوان لڑکیوں سے لہو و لعب میں گزرتا تھا۔

" امیر نعمت اللہ کی اولاد نرینہ میں سے سب سے بڑا لڑکا برکت اللہ تھا جو غالباً اس وقت نو سال کا تھا۔ لڑکا خاصا خوبصورت اور بگڑا ہوا صاحبزادہ تھا۔ ہر وقت دو تین اوباش نوجوان اس کی مصاحبت میں رہتے اس لئے اس کا آوارہ ہونا لابدی تھا۔ میں نے بسا اوقات اس کے والد پر زور دیا۔ کہ برکت اللہ کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیں کیونکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے مسلمان امراء کے بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہوں۔ قیصر ولیم کے شہزادوں کے واقعات اور پرنس آف ویلز (سابق کنگ ایڈورڈ ہشتم) کے واقعات سنا سنا کر انہیں غیرت دلاتا۔ کہ کفار امراء کے بیٹے تو ایسے ماحول میں پرورش پائیں اور ہمارے امراء کے چشم و چراغ کی اٹھان ایسی بُری ہو۔ مگر امیر صاحب پر کچھ اثر اس کا نہ ہوا۔ اور نہ ہو سکتا تھا۔"

" امیر صاحب کی خادماؤں میں سے کوئی لڑکی حاملہ ہو جائے۔ تو اس کے بچے کو پیدائش کے بعد گلا گھونٹ کر چپکے سے دریا بُرد کر دینا امیر صاحب کی عادت تھی کہ ان خادماؤں کو اکثر بدلتے رہتے تھے۔ جو خادمائیں اس طرح الگ کی جاتی تھیں۔ ان کی شادیاں انہی لوگوں (امیر صاحب کے خدام) میں سے ایک سے کر دی جاتی تھی اور اسے نہایت عمدہ جہیز اور ماہوار خرچ مل جاتا تھا اور یہ امر اس درجہ افسوس ناک تھا

کہ ان میں سے جو لڑکی غیر معمولی طور پر خوبصورت ہوتی۔ وہ شادی کے بعد بھی امیر صاحب کی توجہات کا مرکز بنی رہتی تھی"

"رحمت اللہ (امیر نعمت اللہ کا بھائی) بھی اپنے بھائی کی طرح بہت بدچلن اور آوارہ مزاج نوجوان تھے۔ اگر امیر نعمت اللہ کو لڑکیوں کی محبت نے معطل کر رکھا تھا۔ تو انہیں نوجوان لڑکوں کی محبت نے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر رکھا تھا" (مشاہدات کابل و یاغستان از مولوی محمد علی قصوری مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ص ۱۰۸ تا ۱۱۱)

اب ہم اپنے اصل موضوع تحریک پاکستان کی طرف آتے ہیں کہ اس تحریک میں وہابی حضرات (انگریز بہادر سے منظوری لینے کے بعد اہلحدیث) نے کس طرح مسلم لیگ، قائد اعظم اور تحریک پاکستان کی مخالفت کی اور کانگریس کی حمایت میں اپنے روز و شب کس طرح بسر کئے۔ مندرجہ بالا تمہید اس لئے باندھی گئی ہے تاکہ قارئین کو اہلحدیث حضرات کی پاکستان دشمنی کے پس منظر کا پتہ چل سکے۔ کہ جس گروہ کا خمیر ہی انگریز دوستی اور اسلام دشمنی سے اٹھایا گیا ہے وہ پاکستان کا حامی کیسے ہو سکتا ہے۔

غزنوی "اہلحدیث" حضرات بڑا شور مچاتے ہیں کہ مولانا محمد داؤد غزنوی نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا اور مسلم لیگ میں شامل رہے۔ آئیے! ذرا دیکھیں کہ حقیقت کیا ہے اور اُن کے پیروکار کیا رنگ دے رہے ہیں۔

داؤد غزنوی ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت میں شامل ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں جمعیت علمائے ہند کے رکن بن گئے۔ ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار کے بانی مبانی بنے۔ ۱۹۴۲ء میں کانگریس میں شمولیت کر کے ہندو آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے مسلم لیگ کی مخالفت کرنے لگے۔ پنجاب کانگریس کے صدر منتخب ہوئے اور کانگریس کے ٹکٹ پر ہی پنجاب اسمبلی کے رکن بنے۔ (سیدی و ابی از سید ابوبکر غزنوی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء ص ۲۴۷، ۲۴۸)

اس دوران مولانا داؤد غزنوی نے تحریک پاکستان کی جو مخالفت کی وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے اور ان کا یہ کارنامہ تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ کہ وہ کانگریس اور یونینسٹ پارٹی سے روپیہ لاکر مجلس احرار کو دیتے تھے اور احرار رہنما گز گز بھر کی زبانیں نکال کر حضرت قائد اعظم اور مسلم لیگ کو گالیاں دیتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے پہلی قسط کے طور پر دس ہزار روپیہ لاکر دیا جس کی تقسیم پر احرار رہنماؤں میں جوتیوں میں دال بٹی۔ اور دست بگریباں ہوتے رہے۔ (پروفیسر وارث میر، ایک پہلو یہ بھی ہے احرار کی تاریخ کا" مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت ۱۰ ر اکتوبر ۱۹۸۲ ر)

اس رقم کے بارے میں شورش کاشمیری، مجلس احرار کے مرکزی لیڈر مولانا مظہر علی اظہر کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کانگریس سے مولانا نے ساٹھ ہزار روپیہ لیا، دس ہزار کی پہلی قسط اور پچاس ہزار کی دوسری قسط۔ پہلی قسط مولانا داؤد غزنوی نے دفتر احرار میں دی تھی۔ دوسری قسط لالہ بھیم سین سچر کی معرفت آئی۔" (بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل جلد اوّل مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۳۴۳)

داؤد غزنوی کانگریس کے رنگ میں اسقدر رنگ چکے تھے کہ انہیں دوران سفر کسی مسلمان کا پکا ہوا کھانا پسند ہی نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی انہیں مسجد میں نماز پڑھنے سے سکون ملتا تھا۔ انہیں تو ہندوؤں کے گھر کا کھانا اور انہیں کے گھر میں نماز ادا کرنے سے کیف و سرور حاصل ہوتا تھا۔ جھنگ کے مسلم لیگی رہنما شیخ محمد سعید ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ جو مولانا داؤد غزنوی کے اصل چہرہ کی جھلک دکھاتا ہے۔

"۱۹۴۵ء میں مولانا داؤد غزنوی بطور صدر کانگریس پنجاب، جھنگ تشریف لائے تو ان کا کھانا پینا، نماز اور عبادت سب لالہ کشوری لال وکیل کے ہاں تھی اور میں نے انہیں اشارہ کیا کہ ہندو تو ہمارے ساتھ

کھانا پینا حرام سمجھتے ہیں ۔ آپ ان کے ہاتھوں سے وضو اور ان کی چٹائی پر نماز پڑھ رہے ہیں ۔ تو انہوں نے کہا کہ اسلام میں اس کی کوئی مناہی نہیں ہے ۔ (مشکلات لا الہ از شیخ محمد سعید مطبوعہ جھنگ ۱۹۸۱ء ص ۱۰۸)

اسی سال ہی سہارنپور کے ایک جلسے میں مولانا داؤد غزنوی نے یہ ارشاد کیا۔

"جمعیت علمائے ہند ایک سال کے اندر ہندوستان کی آزادی حاصل کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ ہندو سرمایہ دار اور ہندو پریس جمعیت کی امداد کریں"۔ (اخبار "سعادت" ۸ رجون ۱۹۲۵ء بحوالہ "اقبال، قائد اعظم اور پاکستان" از راجہ رشید محمود مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۱۵۱)

مندرجہ بالا ارشاد سے ظاہر ہے کہ داؤد غزنوی کے نزدیک ہندو سرمایہ دار اور ہندو پریس کے بغیر آزادی ہند ممکن نہ تھی ۔ لیکن دنیا نے دیکھ لیا۔ کہ اللہ کے ایک سپاہی قائد اعظم محمد علی جناح نے ہندو کی مادی امداد تو کجا بلکہ اس کی بھرپور مخالفت کے باوجود انگریز بہادر کو برصغیر سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اور توحید کے یہ علمبردار ہندو کی امداد پر بھروسہ کرتے ہوئے استمداد غیر اللہ کا شکار ہو کر ایسے الجھے کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن رہا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
خود آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

۱۹۲۵ء ہی میں مولانا داؤد غزنوی نے منٹو پارک لاہور (حال اقبال پارک) میں نماز عید کے خطبہ میں حضرت قائد اعظم پر سوقیانہ حملے شروع کر دیئے جس پر نماز کے اجتماع میں SHAME SHAME کے نعرے بلند ہونا شروع ہو گئے اور مسلم لیگی اور کانگریسی احراری مسلمانوں میں لڑائی شروع ہو گئی ۔ ایک نوجوان نے اینٹ پکڑ کر مولانا کی طرف زور سے پھینکی ۔ لیکن کسی آدمی نے اینٹ کا وار روک لیا ۔ اس گڑبڑ کے دوران کئی ہندو اور سکھ سڑک پر کھڑے نماز عید کا حشر دیکھتے رہے خطبہ تو ہنگامے کی نظر ہو گیا ۔ لیکن مسلمان نوجوانوں نے قائد اعظم کی توہین برداشت نہ کی ۔ ("مرغزار"

مجلہ گورنمنٹ کالج شیخوپورہ قائد اعظم نمبر ۱۹۷۶ء ص ۱۹۵)

قارئین کرام! آپ نے داؤد غزنوی کی ہندو نوازی اور مسلم دشمنی کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائی ہیں۔ یقین جانیئے کہ مزید واقعات درج کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ کوئی ایک واقعہ ہو تو درج کر دیں۔ اتنے زیادہ واقعات صفحۂ قرطاس پر بکھیرنا کار دارد والا معاملہ ہے۔ اک دو زکار و نا ہو تو رو کر بھی صبر آئے ہر روز کے رونے کو دیدہ کہاں سے آئے

اگست ۱۹۴۷ء میں جب داؤد غزنوی نے دیکھا کہ پاکستان اب ایک روشن حقیقت بن چکا ہے اور اب اسے دنیا کی کوئی طاقت جھٹلا نہیں سکتی تو انہوں نے جھٹ کانگریس سے استعفیٰ دیکر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ (سیدی وابی ص ۲۲۷)

قارئین اگر مجھے معاف فرما دیں تو اس مقام پر ان کی موقع شناسی، مفاد پرستی اور ذہانت کی داد دینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ ساری عمر تو ہندوؤں کی خدمت کی لیکن جب ان سے وفا کی بالکل امید نہ رہی تو مسلم لیگ میں آ دھمکے۔ شاید مومن خاں مومن نے مولانا ہی کے لئے یہ شعر کہا تھا۔

عمر کٹی ساری عشق بتاں میں مومن آخری وقت کیا خاک مسلماں ہونگے

یہ ہے داؤد غزنوی کی تحریک پاکستان میں خدمت جسے آج ان کے پرستار بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ ان کو مسلم لیگ کا مرکزی لیڈر، قائد اعظم کا ساتھی اور نہ جانے کیا کیا ثابت کرنے کی سعیٔ نامشکور کی جا رہی ہے۔ حالانکہ ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ مولانا لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوئے تھے۔ مؤرخ پاکستان جناب ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے داؤد غزنوی کے اس کردار کی کیا شاندار قلعی کھولی ہے ملاحظہ فرمائیے اور ڈاکٹر صاحب کو دعائیں دیجئے۔

"جو قوم داؤد غزنوی کو بھی تحریک پاکستان کا مجاہد کہتی ہے۔ اسے تاریخ لکھنے یا لکھوانے کا کوئی حق نہیں۔ ممکن ہے آپ کہیں کہ مرے ہوؤں کا

ذکر اچھے انداز میں کرنا چاہیے تو جناب تاریخ تو مرے ہوؤں کے اعمال و کردار ہی کے ذکر سے بھری ہوتی ہے۔ اگر ہم نے مرے ہوؤں کے ذکر سے زبان بند کر لی تو تاریخ نویسی کیسے ہوگی۔ کاش آج حمید نظامی زندہ ہوتے تو آپ کو بتاتے کہ داؤد غزنوی کا رول کیا تھا۔ ع

کسی تنگ سے میں کروں بیاں تو کہے صنم بھی ہری ہری

دیانت و امانت اور کریکٹر کے اعتبار سے داؤد غزنوی تو خضر حیات ٹوانہ کے بھی جوتے سیدھے کرنے کے اہل نہ تھے۔" (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳۰ دسمبر ۱۹۶۳ء

بحوالہ تاریخ وہابیہ از حکیم محمد رمضان علی مطبوعہ لائل پور ۱۹۷۶ء ص ۱۱۶، ۱۱۷)

امرتسری۔ اہلحدیث حضرات ثناء اللہ امرتسری کو بھی تحریک پاکستان کا ہیرو گردانتے ہیں۔ حالانکہ ان کا تحریک پاکستان سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے اس وقت میرے پیش نظر مولانا ثناء اللہ صاحب کی کتاب "اہلحدیث کا مذہب" مطبوعہ جمعیت اہلحدیث لاہور ۱۹۵۵ء ہے۔ جس کے شروع میں خود نوشت حالات پر مشتمل چند صفحات میرے اس دعوے کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ ناشر نے یہ حالات مولانا کے اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء سے نقل کیے ہیں۔ مولانا کے ان حالات میں مسلم لیگ میں شمولیت یا حمایت کے بارے میں اشارۃً بھی ذکر نہیں ملتا۔ جس سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ۱۹۴۲ء تک تو مولانا ثناء اللہ امرتسری کا مسلم لیگ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

ہاں البتہ ناشر کتاب "اہلحدیث کا مذہب" نے اپنی طرف سے جن حالات کا اضافہ کیا ہے ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تحریک پاکستان کے مخالف تھے اور ان کی تمام تر ہمدردیاں جمعیت علمائے ہند کے ساتھ تھیں ناشر نے "جذبہ جہاد اور سیاسی مسلک" کے زیر عنوان لکھا ہے کہ۔

"ہندوستان میں اسلامی نظام کے قیام اور اس سلسلہ میں جذبہ جہاد کا

ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپ کا دلی لگاؤ اور ہمدردی ہمیشہ مجاہدین اسمس وجمپر قند سے رہی اور اندرون ہند میں اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ (بمعیت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مدظلہ العالی ومولانا محمد داؤد غزنوی مدظلہ العالی صدر مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان) جمعیت علمائے ہند کے بانیوں میں سے تھے۔ اور جمعیت علمائے ہند کی مساعی قیام نظام شرعی و آزادی ہند میں نظریہ آخر تک اس سے وابستہ رہے" (اہلحدیث کا مذہب مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ئہ ص ن ،س)

خط کشیدہ الفاظ سے ظاہر ہے کہ ثناءاللہ امرتسری آزادی ہند کے سلسلہ میں آخر وقت تک جمعیت علمائے ہند کے نظریہ سے وابستہ رہے اور جمعیت علمائے ہند کے بارے میں کون نہیں جانتا۔ کہ وہ پاکستان دشمنی میں کانگریس سے بھی آگے تھی۔ لہذا۔ ثناءاللہ کو تحریک پاکستان کا رہنما یا کارکن قرار دینا جہالت نہیں تو اور کیا ہے۔

یہاں پر ایک لطیفہ بھی قارئین کرام کی نذر کرتا جاؤں۔ کہ اہلحدیث حضرات نے ثناءاللہ امرتسری کی مذکورہ بالا کتاب کے ۱۹۷۰ئہ میں طبع ہونے والے ایڈیشن سے مولانا کے حالات زندگی حذف کر دیئے ہیں۔ شاید ۱۹۵۵ئہ میں پہلا ایڈیشن چھاپتے وقت انہیں اس بات کا اندازہ نہیں تھا۔ کہ بعد میں ان کو تحریک پاکستان کا ہیرو ثابت کرنا ہے، اب چونکہ ان کو اس بات کی ضرورت محسوس ہو چکی ہے لہذا دوسرے ایڈیشن سے تمام حالات ہی حذف کر دیئے۔ شاید انہیں معلوم نہیں کہ ؎

کس کس سے چھپاؤ گے تحریک پاکاری ... محفوظ ہیں تحریریں اور مرقوم ہیں تقریریں

اسماعیل۔ اہلحدیث گروہ کے ایک اور سرکردہ لیڈر مولوی اسمٰعیل آف گوجرانوالہ کٹر کانگریسی تھے انہوں نے کانگریس کی حمایت میں اپنے عقیدۂ توحید کی ٹھیکیداری کی بری طرح دھجیاں بکھیریں۔ صاحب "تاریخ وہابیہ" لکھتے ہیں کہ

"یہ بھی کانگریسی کی حمایت میں اور قیام پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھے گانگریسی ہندوؤں کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے اور یہ ان کے اجلاس وجلوس میں بڑی فراخدلی سے شریک ہوا کرتے تھے اور اپنے کانگریسی نظریات میں اتنے متشدد تھے کہ اس بارے انہوں نے اپنے اُستاد و بزرگ مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی کو بھی چنداں اہمیت نہ دی۔ مولوی محمد ابراہیم نے متعدد مرتبہ برسر اجلاس مولوی اسمٰعیل صاحب کو سمجھاتے ہوئے کانگریس کی حمایت سے روکا اور اپنے ساتھ تبادلہ خیالات کی دعوت دی۔ لیکن گوجرانوالہ کے کانگرسی مولوی صاحب نے اپنے استاد محترم کی ایک نہ سنی۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کی کانگریسی ذہنیت کا اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ کانگرس کے مشہور ہندو لیڈر سبھاش چندر کی موت پر کانگریس نے ماتمی جلسہ منعقد کیا اور اپنے مردہ لیڈر کے اعزاز میں کرسی صدارت کو خالی رکھا۔ بلکہ ایک روایت کے مطابق اس پر سبھاش چندر بوس کی تصویر رکھی۔ اس کے باوجود مولوی اسمٰعیل صاحب پورے اہتمام سے شریک اجلاس ہوئے۔ ہندوؤں کے غائبانہ مردہ لیڈر یا اس کی تصویر کی صدارت میں تقریر کی۔ جس میں سبھاش چندر بوس کی مدح وستائش کر کے اس کو خراج عقیدت پیش کیا اور کانگرس کی زبردست حمایت کی۔" (تاریخ وہابیہ از مولانا محمد رمضان علی قادری مطبوعہ فیصل آباد ۱۹۷۶ء ص ۱۱۷)

اہلحدیث حضرات کی "انجمن مفاد المسلمین" سیالکوٹ نے ایک پمفلٹ "حافظ محمد شریف صاحب کی قلابازیاں" شائع کیا ہے۔ جس کے صفحہ ۶ پر مولوی اسمٰعیل صاحب کے بارے میں یوں لکھا ہوا ہے :-

"مولوی اسمٰعیل صاحب وہ کانگریسی ہیں جو مردہ سبھاش چندر بوس کے فوٹو کی صدارت میں تقریر کر چکے ہیں۔ ایسے مُوحد ہیں جو بُت کی صدارت میں تقریر کریں۔" (مخالفین پاکستان از مولانا ضیاء اللہ قادری سیالکوٹی مطبوعہ سیالکوٹ ۱۹۸۵ء ص ۲۳)

قارئین کرام، ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کانگریس میں رہے ہیں ہندو لیڈروں کی تعریف میں رطب اللسان رہے، تصویر کی صدارت میں تقریر کی، پاکستان کی مخالفت کی۔ مگر ان کے عقیدہ توحید میں سرِ مُو فرق نہ آیا۔ اہلحدیث حضرات کو یہ توحید مبارک ہو۔

"تاریخ اہلحدیث" از مولانا میر ابراہیم سیال کوٹی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء طبع دوم کے صفحہ ۴۴۴ پر ناشر نے نہایت چالاکی اور عیاری سے مولوی اسمٰعیل صاحب سلفی گوجرانوالہ کے حالات کا اضافہ از خود کیا ہے۔ جو ہر قاری محسوس نہیں کر سکتا۔ بلکہ عام قاری یہی سمجھتا ہے کہ مولوی صاحب کے حالات مولانا ابراہیم سیال کوٹی نے ہی لکھے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ

"(مولانا نے) ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔"

گویا اس سے یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ مگر بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کی ایک کتاب "حجیت حدیث" مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء کے شروع میں مولوی صاحب کے فرزند گرامی پروفیسر محمد صاحب کے ارشادات پر مبنی ص ۱۱ تا ص ۱۴ پر مولوی صاحب کے جو حالات لکھے گئے ہیں ان میں مولوی صاحب کے سیاسی کردار کو گول کر دیا گیا ہے۔ جو جھوٹ بولنے سے بدرجہا بہتر ہے۔

مولوی اسمٰعیل صاحب کے ذکر کے ضمن میں مولوی محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کا نام آپ نے پڑھا۔ موصوف مسلم لیگ کے حامی تھے۔ انہوں نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں دہلی میں

نماز جمعہ میں تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا۔ کہ

"موجودہ انتخابات میں جو اہلحدیث مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دیگا۔ وہ اہل حدیث نہیں ہے۔" (کاروان احرار از جانباز مرزا جلد ششم مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲، ص ۳۶۴)

یہ اعلان کرنا تھا۔ کہ اطراف و اکناف سے اہلحدیث حضرات اُن کے درپے آزار ہو گئے۔ اہل حدیث کانفرنس ضلع دربھنگہ کا ضلعی اجلاس عبدالظاہر سلفی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں فیصلہ کیا گیا۔ بلکہ اعلان کیا گیا کہ تمام ہندوستان کے اہلحدیث اس فیصلے سے الگ ہیں۔ نیز لیگ کے نامزد امیدواروں کو من حیث الجماعت کامیاب بنانا سخت بددیانتی اور غلطی ہے۔" (سہ روزہ "زمزم" لاہور ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء بحوالہ کاروان احرار جلد ششم ص ۳۶۴، ۳۶۵)

محمد ابراہیم میر کے ہم وطن محمد صادق سیالکوٹی کو سب سے زیادہ تکلیف پہنچی۔ انہوں نے موصوف کو ایک خط لکھا جس میں اُن سے یہ سوالات کئے۔

"آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ موجودہ انتخابات میں جو اہلحدیث مسلم لیگ کو ووٹ نہیں دے گا وہ اہلحدیث نہیں ہے۔ اس پر میں آپ سے حسب ذیل سوالات کے جوابات کا طالب ہوں۔

۱۔ اگر مرزائی مسلم لیگ کو ووٹ دیں تو کیا وہ اہلحدیث ہیں۔؟

۲۔ اگر تبرائی شیعہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں تو کیا وہ اہلحدیث ہیں؟

۳۔ آپ نے ایک دفعہ اپنی مسجد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا، عطاء اللہ شاہ بخاری امیر شریعت ہیں۔ اور ان کے ہاتھ پر اکثر علماء اسلام نے بیعت کی ہے۔ اس طرح آپ نے بھی بیعت کا اقرار کیا تھا۔

۴۔ آپ نے حسین احمد مدنی کی معرفت مدینہ منورہ میں کس کس کو چٹھیاں لکھی تھیں۔ ان کا نفس مضمون کیا تھا؟ والسلام۔

آپ کا محمد صادق اہل حدیث سیالکوٹی!!

(ہفت روزہ "افضل" سہارنپور ۲۶ر اکتوبر ۱۹۴۵ء بحوالہ کاروان احرار جلد ششم ص ۳۶۵)

پیارے قارئین کرام، ذرا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کے مسلم لیگ کے حق میں بیان و اعلان کا دوبارہ مطالعہ فرمائیں اور پھر محمد صادق سیالکوٹی کے سوالات کو دیکھیں، آپ پر خود بخود واضح ہو جائے گا کہ یہ سوالات کتنے بودے، بھونڈے اور لغو ہیں۔ ان سوالات پر تبصرہ کرنا چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ لہذا ہم مزید آگے بڑھتے ہیں۔

مولانا عبدالوہاب صدر آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس نے روزنامہ "ہلال نو" بمبئی مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۵ء میں بیان دیتے ہوئے اہلحدیث حضرات پر واضح کیا کہ وہ میر ابراہیم سیالکوٹی کے اعلان پر ہرگز ہرگز مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں۔ (کاروان احرار جلد ششم ص ۳۶۶)

دیکھ لیا آپ نے کہ ایک ہی اہلحدیث محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا تو تمام ہندوستان کے اہلحدیث بھڑوں کی طرح ان کے گرد جمع ہو گئے۔

اہلحدیث گروہ میں لکھوی خاندان بڑی اہمیت کا حامل ہے اس خاندان نے بھی مسلم لیگ کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں فیروزپور کے حلقہ سے پنجاب اسمبلی کی سیٹ پر نواب افتخار حسین ممدوٹ (مسلم لیگ) کے مقابلہ پر محی الدین لکھوی نے مجلس احرار کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے کے لیئے کاغذات داخل کیئے۔ (کاروان احرار جلد ششم ص ۲۹۰) مگر جب دیکھا کہ مسلم لیگ کو تائید ایزدی حاصل ہے اور ہر جگہ مسلم لیگ کی کامیابی کے ڈنکے بج رہے ہیں اور شکست ہمارا مقدر ہو چکی ہے تو اپنے کاغذات واپس لے لیئے۔ اور پھر نواب صاحب کے مخالف امیدوار کی حمایت میں دورے شروع کر دیئے۔

کتنی ستم ظریفی کی بات ہے کہ آج یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلم لیگ سے ساتھ تھے۔ ہم نے نواب افتخار حسین ممدوٹ کی حمایت کی تھی۔ شاید انہیں معلوم نہیں ہے کہ تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ اور بڑے بڑوں کا پردہ چاک کر کے رکھ دیتی ہے۔

جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے سابق ناظم مالیات حاجی محمد اسحاق حنیف امرتسری کٹر احراری تھے۔ انہوں نے امرتسر میں مسلم لیگ کے خلاف کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ کانگرسی ہندوؤں کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کی راہ میں کانٹے بچھائے۔ مگر جب پاکستان بنا تو بھاگ کر یہاں آگئے۔ اس پاکستان میں جسکی ڈٹ کر مخالفت کی تھی۔ حاجی محمد اسحٰق حنیف کی احرار پرستی اور کانگرسی نوازی کی جھلکیاں دیکھنے کے لیئے خواجہ افتخار کی انعام یافتہ کتاب "جب امرتسر جل رہا تھا" کا مطالعہ ضروری ہے۔

حافظ ابراہیم دہلوی، اہلحدیث گروہ کے دہلی میں اہم ستون شمار کیئے جاتے تھے۔ مگر یہ اہم ستون مجلس احرار دہلی کے سیکریٹری تھے۔ مسلم لیگ کو نقصان پہنچانا اس کا وظیفہ حیات تھا۔ دہلی میں مسلم لیگ کو ناکام بنانے کیلیئے دن رات نت نئی اسکیمیں سوچتے رہتے تھے۔ ۱۹۳۲ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس مسجد فتحپوری دہلی میں ہونا قرار پایا تو موصوف نے اسے ناکام بنانے کیلیئے اپنی تمام مذموم کوششیں بروئے کار لائیں اور عین جلسہ کے روز بھی ہلڑ بازی کرتے رہے۔
(تراجم علمائے حدیث ص ۱۶۵)

سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دینے کیلیئے اہلحدیث حضرات یہ پروپیگنڈا کرتے رہے۔ کہ ہمارے مولوی اسمٰعیل صاحب غزنوی مسلم لیگ کے حامی تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے لئے بہت کام کیا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُن کی مسلم لیگ کے

لئے خدمات کیا ہیں۔ انہوں نے کیا کارنامے سرانجام دیئے۔ اور تحریک پاکستان میں ان کا کردار کیا تھا؟ محض زبانی جمع خرچ کرنے سے تو کام نہیں چل سکتا۔ کل کو اگر کوئی یہ کہہ دے کہ ابوالکلام آزاد اور حسین احمد مدنی تحریک پاکستان کے قائدین میں سے تھے تو کیا کوئی صاحب عقل اسے تسلیم کرنے کو تیار ہوگا؟

میری نظر میں تو اسمٰعیل غزنوی کی دو خدمات ہیں۔ جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ پہلی یہ کہ انہوں نے شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل سعود کے حکم پر ۱۹۲۷ء سلیمان بن سحمان نجدی کی کتاب "الھدیۃ السنیۃ" کا "تحفہ وہابیہ" کے نام سے ترجمہ چھاپ کر جمہور اہلسنت وجماعت کے عقاید کو ٹھیس پہنچانے کی مذموم کوشش کی۔ دوسری یہ کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفہ اول حکیم نورالدین کے نواسے تھے۔ "کاروان احرار" کے مصنف جانباز مرزا نے اس حقیقت کو یوں آشکار کیا ہے۔

"اسمٰعیل غزنوی، مولانا محمد داؤد غزنوی کا عم زاد بھائی تھا۔ اس کی والدہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفہ اول حکیم نورالدین کی حقیقی بیٹی تھی۔ اس رشتہ سے اسمٰعیل غزنوی، حکیم نورالدین (مرزائی) کے نواسے ٹھہرے"۔ (کاروان احرار جلد دوم لاہور ۱۹۷۶ء ص ۲۳۶)

قارئین کرام، جماعت اہلحدیث نے اپنی تمام تر کوششیں اور توانائیاں مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی مخالفت میں صرف کیں۔ ان لوگوں نے کانگریس واحرار و دیگر مسلم لیگ دشمن تنظیموں کے ساتھ ملکر اپنی مسلم لیگ دشمنی کا پورا پورا ثبوت دیا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پاکستان بن گیا تو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اسمبلیں چلے آئیے۔ ؎ شرم ان کو مگر نہیں آتی۔

"علامہ مشرقی"

عنایت اللہ خاں المعروف علامہ مشرقی ۲۵ اگست ۱۸۸۸ء کو امرتسر کے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عطا محمد خاں امرتسر کے رئیس اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔ علامہ مشرقی نے امرتسر، لاہور اور انگلستان میں تعلیم حاصل کی اور ۱۹۱۲ء میں اسلامیہ کالج پشاور کے پرنسپل مقرر ہو گئے اور ریٹائر ہونے تک محکمہ تعلیم سے ہی وابستہ رہے۔

۱۹۳۰ء میں فوجی انداز کی "خاکسار تحریک" کے نام سے ایک تحریک صوبہ سرحد میں جاری کی۔ یہ تحریک ملکی اور قومی نقطہ نگاہ سے بہت اہم اور بڑی مفید تحریک تھی۔ اس کا مقصد وحید مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو واپس لانا تھا۔ چنانچہ یہ تحریک بہت جلد سارے ملک میں پھیل گئی۔ بڑے بڑے لوگ مثلاً نواب بہادر یار جنگ بھی اس میں شریک ہو گئے۔ تاکہ برصغیر کو اسلام کا قلعہ بنا کر ایک بار پھر توحید و رسالت کا ڈنکا بجائیں۔ [۱]

اس تحریک کی غیر معمولی مقبولیت سے مغرور ہو کر علامہ مشرقی نے سواد اعظم سے ہٹ کر اپنے مذہبی اور سیاسی نظریات کا پرچار شروع کر دیا۔ مسلم لیگ اور قائداعظم کی مخالفت کو اپنا وظیفہ حیات بنا لیا۔ حالانکہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو جب خاکساروں پر حکومت پنجاب نے   پہلا وار کیا اور حکومت ہند نے علامہ مشرقی کو نظر بند کر کے اس تحریک کو خلافِ قانون قرار دیدیا تو وہ مسلم لیگ ہی تھی جس نے

۱۔ پنجاب کی سیاسی تحریکیں از عبداللہ ملک مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۳۲۳ تا ۳۲۶
تگ و تاز از ایم اسلم، لاہور ۱۹۷۸ء ص ۱۳۶ - حیات بہادر یار جنگ از غلام محمد مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء ص ۵۰

خاکساروں کی حمایت، مشرقی کی رہائی اور حکومت کے طرزِ عمل پر سخت و شدید احتجاج کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاکساروں پر سے پابندیاں اٹھ گئیں اور علامہ مشرقی رہا کر دیئے گئے اِس مقام پر یہ ذکر بے جا نہ ہوگا۔ کہ جب لاہور میں خاکساروں پر گولیاں چل رہی تھیں تو ان کا یہ لیڈر ڈسٹرکٹ جیل دہلی میں حکومت سے انڈے مرغی اور حقہ کے لئے جھگڑا کر رہا تھا۔ ؎۲

جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ علامہ مشرقی کی مسلم لیگ دشمنی بڑھتی گئی۔ بات صرف اتنی تھی کہ مسلم لیگ کی روز افزوں مقبولیت خاکساروں کے امیر کو ایک نظر نہ بھاتی تھی۔ جب اسلامیان برصغیر نے قائداعظم کو اپنا واحد راہنما تسلیم کر لیا۔ تو علامہ مشرقی کے سینے پر سانپ لوٹنے لگا۔ جس کے نتیجے میں رفیق صابر مزنگوی خاکساری کارکن نے ۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء کو بمبئی میں حضرت قائداعظم پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ قائداعظم معمولی زخمی ہوئے اور حملہ آور گرفتار ہو کر داخل زنداں ہوا۔ ؎۳ علامہ مشرقی کے اس مسلم دشمن طرزِ عمل سے باضمیر اور باغیرت لوگ خاکسار تحریک سے الگ ہونا شروع ہو گئے۔ نواب بہادر یار جنگ نے مشرقی کو سمجھایا کہ مسلم لیگ اور قائداعظم کی مخالفت نہ کی جائے۔ بلکہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ خاکسار مسلم لیگ کے پرچم تلے کام کریں۔ مگر افسوس کہ مشرقی نے محض ضد اور اپنی بڑائی کے خیال سے قائداعظم اور مسلم لیگ کی مخالفت جاری رکھی۔ نواب صاحب نے جب انتہائی سمجھانے بجھانے کے باوجود علامہ مشرقی کو "قطب از جانمی جنبد" کا مصداق پایا تو اس جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ اور پھر یہ جماعت

؎۲ قائداعظم اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۳۸۷ تا ۳۸۸

؎۳ اسلام اور قائداعظم از محمد حنیف شاہد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۴۶ قائداعظم پر قاتلانہ حملہ از محمد حنیف شاہد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۴ تا ۱۶ "مرغزار" مجلہ گورنمنٹ کالج شیخوپورہ قائداعظم نمبر ص ۲۰۱

رو بہ تنزل ہوتی گئی۔ ؎۴

اسی طرح مسٹر محبوب الٰہی مالک بلوچستان بوٹ ہاؤس، تشوز مارکیٹ آگرہ نے خاکسار تحریک سے علیحدگی اختیار کرتے ہوئے جو بیان دیا وہ ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء کے اخبارات میں شائع ہوا۔ ملاحظہ فرمائیے اور علامہ مشرقی کی اسلام دشمنی اور ہندو دوستی کا ماتم کیجیئے:۔

"ابتدا میں جس نے کہا تھا کہ میری جماعت کو سیاست سے تعلق نہ ہوگا وہ آج گاندھی جی کی گود میں بیٹھا قائد اعظم پر کیچڑ اچھال رہا ہے قول و فعل میں زمین و آسمان کا یہ فرق علامہ کو زیب نہیں دیتا۔ میں نے خاکسار جماعت کی سرگرم خدمت کی ہے۔ لیکن علامہ کی نئی روش مسلمانوں کے لئے اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے لئے نقصان رساں ہے۔ اس لئے مجھے اس تحریک سے بیزار ہونا پڑا۔ آج میں خاکسار جماعت سے اپنی علیحدگی کا اعلان کرتا ہوں اور اپنے دوسرے خاکسار بھائیوں سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی غلط روش پر غور کریں اور اس ضرر رساں تحریک سے علیحدہ ہو جائیں۔" ؎۵

علامہ مشرقی اپنے انتخابی دورہ کے سلسلہ میں بمبئی بھی تشریف لے گئے اور ۹ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو وائی۔ ایم سی کے احاطہ میں ایک مختصر مجمع کے سامنے تقریر شروع کی اور قائد اعظم کے خلاف نہایت ناروا اور ناشائستہ الفاظ میں اظہار رائے شروع کر دیا۔ حاضرین اسے برداشت نہ کر سکے اور ہنگامہ شروع ہو گیا۔ جس کا

؎۴ حیات بہادر یار جنگ ص ۷۹، ۸۰

؎۵ قائد اعظم اور ان کا عہد ص ۳۸۹

نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کئی خاکسار زخمی ہو گئے اور کئی شر کائے جلسہ بھی مجروح ہوئے۔ یہ آگ بڑھی اور شہر میں خاکساروں کے دفاتر پر مشتعل ہجوم نے پتھراؤ کیا۔ [۶]

اس واقعہ کے بعد خاکسار تحریک بمبئی کے "نائب حاکم اعلیٰ" خالد اختر افغانی نے اس تحریک کو یوں بے نقاب کیا۔

"علامہ مشرقی کو راقم الحروف نے نہ صرف یہ کہ دیکھا ہے۔ بلکہ اس کی تحریک خاکسار کے ایک معزز عہدہ پر رہ چکا ہے، اہالیان صوبہ بمبئی جانتے ہیں کہ میں "نائب حاکم اعلیٰ" تھا۔ لیکن جب مسلسل چار سال (فروری ۱۹۲۲ء تا دسمبر ۱۹۲۵ء) اس تحریک کی خدمت کے بعد یہ پتہ چلا کہ علامہ مشرقی صرف ذاتی اغراض کے بندے ہیں تو اس تحریک سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہو گیا"۔ [۷]

علامہ مشرقی نے گاندھی جی کی لنگوٹی تھام کر پاکستان اور قائد اعظم کی جو مخالفت کی وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔ علامہ صاحب نے مخالفت کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جنوری ۱۹۴۶ء میں قائد اعظم لاہور تشریف لائے تو لوگوں نے اپنے محبوب قائد کا والہانہ استقبال کیا۔ ۱۰ جنوری کی دوپہر کو قائد اعظم نے اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب فرمایا تقریباً ایک لاکھ کا مجمع تھا اور ساری گراؤنڈ میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی جب قائد اعظم تشریف لائے تو کالج کے پرنسپل عمر حیات ملک نے بڑھ کر استقبال کیا اور انہیں ہار پہنایا۔ اس کے بعد قائد اعظم، پرنسپل اور لیگی زعماء کے ساتھ جلسہ گاہ میں حاضرین کے درمیان سے گزرتے ہوئے سٹیج کی جانب روانہ ہوئے۔ سٹیج سے قائد اعظم

---

[۶] قائد اعظم اور ان کا عہد ص ۳۸۸ تا ۳۸۹

[۷] قائد اعظم پر قاتلانہ حملہ ص ۹

زندہ باد" کے نعرے لگ رہے تھے۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد اقبال کی مشہور نظم پڑھی گئی ؎

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی
نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی
دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

نظم پڑھنے والے نے بلند آواز میں خوش الحانی سے جس طرح نظم پڑھی اور بار بار قائداعظم کی طرف اشارہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ علامہ اقبال نے یہ نظم قائداعظم ہی کو مخاطب کر کے لکھی تھی اور "رہبر فرزانہ" اور "مرد فقیر" وہی تھے۔ نظم کے بعد راجہ غضنفر علی خاں نے استقبالیہ کلمات ادا کئے پھر حضرت قائداعظم نے اردو زبان میں تقریر کی اور فرمایا۔

"برادران ملت! آپ لوگوں کو دیکھکر بہت خوش ہوا ہوں، آپ لوگ بڑی تعداد میں مجھ سے ملنے کیلئے آئے۔ لیکن کچھ ڈسپلن بھی ہونا چاہیئے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ خان بہادروں اور سروں کی جماعت ہے، آپ دیکھیں کہ ان لاکھوں آدمیوں میں کتنے سر اور خان بہادر ہیں انتخابات میں کامیابی کے لئے آپ مسلم لیگ کو چندہ دیں۔

"GIVE ME SILVER BULLETS I WILL GIVE YOU PAKISTAN."

گورنر گلانسی پاگل ہے..... خضر گلانسی AXIS کی پروانہ کریں۔"

قائداعظم یہاں تک تقریر کرنے پائے تھے کہ علامہ مشرقی نے جلسہ گاہ سے ملحقہ مسجد مبارک میں قبل از وقت ہی ظہر کی اذان دینا شروع کر دی جس کے باعث جلسہ گاہ سے " اذان، اذان " کی آوازیں بلند ہوئیں اور قائداعظم خاموش ہو گئے اذان کے بعد تقریر شروع ہوئی تو مسجد کی جانب سے خاکساروں کا ایک جلوس زیر قیادت علامہ مشرقی سٹیج کی جانب روانہ ہوا۔ سٹیج پر پہنچ کر علامہ مشرقی نے قائداعظمؒ سے جلسہ کو خطاب کرنے کی اجازت چاہی۔ قائداعظم نے فرمایا۔ کہ "آپ مسلم لیگ میں ہیں؟ یہ جلسہ پنجاب مسلم لیگ کا ہے اور اس کے لئے پنجاب مسلم لیگ کے صدر کی اجازت ضروری ہے۔ میں اجازت نہیں دے سکتا۔" لیکن علامہ مشرقی تقریر کرنے پر مصر رہے۔ قائداعظم نے اپنی تقریر ختم کر دی اور جلسہ گاہ سے واپس چلے گئے۔ ان کی روانگی تک تمام سامعین اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اس کے بعد علامہ مشرقی نے بلا اجازت تقریر کرنے کی کوشش کی جس پر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے چند نوجوانوں اور سٹیج پر موجود خاکساروں میں جھڑپ ہو گئی۔ [8] مجمع نے آواز بلند کی اور نہایت غضب ناک ہو کر کہا کہ وہ اس وقت تک کوئی بات نہ سنیں گے جب تک علامہ مشرقی مسلم لیگ میں نہ آ جائیں۔ پھر یہ غضب ناک آوازیں ایک ہولناک ہلہ میں تبدیل ہو گئیں اور لوگ سٹیج پر چڑھ گئے۔ اور بے پناہ وزن کے باعث سٹیج ٹوٹ گیا۔

عوام نے خاکساروں سے ان کا جھنڈا چھین لیا اور ان کے سامنے پھاڑ کر چیتھڑے ہوا میں اڑا دیئے اور خاکساروں کی پٹائی شروع کر دی۔ مسلم لیگ اور قائداعظم کی محبت سے سرشار مسلمان اس تندی کے ساتھ جھپٹے کہ شامیانہ بھی گر پڑا۔ علامہ مشرقی

8۔ "مرغزار" قائداعظم نمبر ۱۹۷۶ء ص ۱۹۸ تا ۲۰۰۔ تحریک پاکستان از شیخ محمد رفیق مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء ص ۲۰۸

کو جو پٹتے پٹتے گرے ہوئے شامیانہ میں دوبارہ گھسنے کی کوشش کر رہے تھے، پھر پکڑ کر باہر نکالا اور پورے مجمع کے سامنے انہیں کھڑا کیا گیا اور انہیں حکم دیا کہ مسلم لیگ کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر بلند کرو۔ علامہ مشرقی نے گڑگڑاتے ہوئے مسلم لیگ کا جھنڈا ادب سے ہاتھوں میں لے کر بلند کیا۔ اور کافی دیر تک بلند کئے رہے۔

مسلمان عوام اسقدر مشتعل تھے کہ ان کے نزدیک علامہ مشرقی کی آج کی جسارت ناقابل معافی تھی۔ لہذا انہیں خوب پیٹا۔ جوں توں کر کے علامہ مشرقی بری طرح مار کھاتے ہوئے کالج کے ہال کی طرف پناہ لینے کے خیال سے گھستے چلے گئے۔ اور مار پڑتی گئی اور یہاں پہنچ کر پٹائی کی اور بھی انتہا ہو گئی۔ یہاں تک کہ علامہ مشرقی بے ہوش ہو گئے اور بے ہوشی کے عالم میں پڑے رہے۔ ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار مار کر ہوش میں لا لا کر پیٹا گیا اور اسقدر شدت سے بے ہوش ہوئے کہ پانی کے چھینٹوں سے بھی ہوش میں نہ آئے۔ یہاں تک کہ پولیس نے آکر بمشکل تمام ہال میں گھس کر کالج کے پرنسپل کی اجازت سے علامہ مشرقی کو اٹھایا اور کسی محفوظ مقام کی طرف لے گئے۔ ۹

کانگریس اور یونینسٹ پارٹی نے چونکہ علامہ مشرقی کو تھپکی لگادی تھی جس کی بنا پر وہ بعد میں بھی قائد اور مسلم لیگ کی مخالفت سے باز نہ آئے۔ اشتعال انگیزی کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھاٹی دروازہ کے باہر مسلمانوں نے علامہ مشرقی کو پھر گھیر لیا۔ اور ان کے کپڑے وغیرہ پھاڑ دیئے۔ اس جگہ بھی علامہ صاحب سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ ۱۰

۹ قائد اعظم اور ان کا عہد ص ۳۹۰ تا ۳۹۲

۱۰ قائد اعظم اور ان کا عہد ص ۳۹۳

تحریکِ پاکستان کے نامور مورّخ جناب رئیس احمد جعفری صاحب نے پنجاب کے لیگی اکابرین کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے علامہ مشرقی سمیت دوسرے مخالفین پاکستان کا یوں ذکر کیا ہے۔

"ایک طرف خضر حیات خاں کا استبداد کارفرما تھا۔ دوسری طرف عطاء اللہ شاہ بخاری کا جوہرِ خطابت، مظہر علی اظہر کا جوشِ کار اور علامہ مشرقی کا بیلچہ مسلم لیگ اور پاکستان کے خلاف مصروف جہاد تھا۔" ۱۱ے

علامہ مشرقی کی وفات ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء کو میو ہسپتال لاہور میں ہوئی اور ۲۹ اگست کو سپردِ خاک کئے گئے۔ ۱۲ے

۱۱ے کاروانِ گم گشتہ از رئیس احمد جعفری مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء ص ۷۴

۱۲ے ہفت روزہ "الاصلاح" لاہور مورخہ ۲۶ رجون، ۳ رجولائی ۱۹۸۱ء ص ۱۸